File F:\Graphic1.tif not found.

شعروادب

نازہے ہم کو کہ ہے ایک نسبت آپؐ سے

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

اے ہلال و بدر تو قابل ہے میرے یار کے
تونے دیکھا روئے انور کو مرے سرکار کے

اک جھلک سے روئے انور کی بنا تو ماہِ نو
نور بڑھتا ہی گیا دیدار سے ہر بار کے

کیا حسیں دیدار تھا جس سے ہوا تو ماہتاب
چاندنی تجھ کو ملی صدقے میں اس دیدار کے

سارے عالم کو ملی ہے جو بھی دولت حسن کی
یہ کرشمے ہیں جمالِ روئے پُر انوار کے

اس سراپا حسن کی یادوں سے ہے سرشار دل
ہو تصدق سارا عالم اس دلِ سرشار کے

جو بھی ہو سرشار پی کر بادۂ عشق نبیؐ
میکدہ کا میکدہ قربان اس میخوار کے

عشقِ محبوبِ خدا سے جو بھی دل بیدار ہو
عالَمِ بیدار صدقے اس دلِ بیدار کے

ناز ہے ہم کو کہ ہے ایک نسبت آپؐ سے
گرچہ ہیں مارے ہوئے ہم ذلت و ادبار کے

جس میں آئی آپؐ کے دم سے بہار اندر بہار
ہم گلِ تر ہیں اسی اک گلشنِ بے خار کے

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

اداریہ

انسانیت کی صبح سعادت

شمس الحق ندوی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے، ربیع الاول کی صبح سعادت سے قبل انسانیت گراوٹ وپستی کے جس درجہ کو پہنچ چکی تھی، اس کے تصور وخیال سے دل دہل جائیں، آخری درجہ کی بات یہ ہے کہ امراء ورؤساء اپنی دعوتوں اور خوشیوں کی محفلوں میں چراغاں کرنے کے لیے زندہ انسانوں کو ستونوں سے باندھ کر ان کے جسموں پر تیل چھڑک کر جلاتے تھے، ان کی چیخ وپکار اور رونے چلانے کی آوازوں میں ان کو موسیقی کا مزہ آتا تھا، اور اس پر فخر کیا جاتا تھا کہ فلاں کے یہاں اتنے غلام جلائے گئے۔

انسانوں کا کون سا طبقہ ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں، کیا مردوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان نہیں کہ ان کو آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حقوق، ماں، بہن، پھوپھی، خالہ کی صورت میں یہ کہہ کر بیان فرمائے کہ: ''ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے''، ''خالہ کا درجہ ماں کے برابر ہے''۔ کمزوروں پر جو ظلم کی چکی میں پستے رہتے، یہ کہہ کر احسان کیا کہ مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کی آہ وکراہ اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں، کیا حاکموں اور بادشاہوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان نہیں کہ ان کے حقوق وفرائض بتانے کے بعد فرمایا: ''انصاف پسند حاکم وبادشاہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوگا''، کیا تاجروں اور کاروباری لوگوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا: ''میں اور سچا ودیانت دار تاجر جنت میں قریب قریب ہوں گے''، خود بھی تجارت کر کے تاجروں کی عزت بڑھائی، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: '' فی کل ذات کبد صدقة'' یعنی ہر جاندار مخلوق کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم میں خدا کی تعلیم وہدایت کے شاہد ہیں، نیکوکاروں کو فلاح وسعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو اَب تک بے خبر تھے، ہوشیار وبیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں، اور خود ہمہ تن نور اور روشن چراغ ہیں، ''سراجاً منیراً'' ہیں، آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہیں، جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب کو جس کو ہر اعتبار سے انسانیت کا کامل ومکمل نمونہ بنایا، معراج میں اپنے پاس ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ تک بلایا، جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی جانے کی اجازت نہیں، اسی کو ایک شیدائی نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

تخیل کی رسائی ہو نہیں سکتی جہاں تم ہو
جہاں جلتے ہیں پر جبریلؑ کے آقا وہاں تم ہو

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں: ''اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو (اس کے ماننے والوں) کے لیے نمونہ بتایا اور اسی کی پیروی کو خدا کی محبت کا ذریعہ بتایا، فرمایا: ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' [آل عمران:۳۱] یعنی اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعوی ہے تو میری اتباع کرو (میرے چلن کو اپناؤ) تو خدا تم کو پیار کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی نقل وعکس کو خدا کی محبت کا معیار بتایا۔ (جھاڑ فانوس کیا) ایک لمحہ کے لیے نشۂ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دینا آسان ہے مگر پوری عمر ہر حالت میں، ہر کیفیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قدم ادھر ادھر نہ ہو، سب سے مشکل امتحان ہے، اس اتباع کے امتحان میں تمام صحابہؓ پورے اترے، اور اسی جذبہ سے صحابہ وتابعین نے، تبع تابعین نے، محدثین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک بات، ایک ایک ادا اور ایک ایک عمل کو معلوم کیا، لکھا تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی آئینہ کی طرح سامنے ہو اور اس کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک امتی اپنی زندگی گزارے''۔

اس وقت دنیا جن حالات سے گذر رہی ہے اور انسانی آبادی ساری ترقیوں اور سہولتوں کے باوجود جن خطرات میں گھری ہوئی ہے، ظلم وزیادتی کی جو گرم بازاری ہے اور انسانی خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، اس کا علاج اگر کہیں مل سکتا ہے تو اسی پیغام اور اسی دستور حیات میں جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

اس پیغام وپیغمبر کا تعلق صرف ربیع الاول کے میلادی جلسوں سے نہیں کہ جب یہ مہینہ آئے تو اس کی یادگار منائی جائے، جلسے جلوس کئے جائیں اور بس، بارہ ربیع

الاول کی آمد تجدید عہد کا ایک موقع ہوتا ہے، لیکن بدقسمتی سے جن لوگوں نے اس پیغام کو سینے سے لگایا اور دل میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کو بسانے کا دعویٰ کیا وہی اس کو جشن کے طور پر منا لینے ہی پر اکتفا کرنے لگے ہیں، آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو اب گویا سیرت کے جلسوں اور مشاعروں تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ آپ کی تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی کر کے میلہ اور بے حجابی کا ماحول بنا دیا۔

کیا اچھا ہوتا کہ ہم مسلمان دوسری قوموں کے سامنے پیغام محمدی کا وہ عملی نمونہ پیش کرتے جس کو دیکھ کر ان کے منھ میں پانی آجاتا اور وہ اس کی طرف بے تابانہ بڑھتیں اور اس کا کلمہ پڑھنے لگتیں، آج کی بے چین وسرگرداں دنیا کو معلوم ہوتا کہ ہمارے درد کا درماں اس دستور حیات میں ہے جس کو انسانوں کے پیدا کرنے والے اس خالق نے اتارا ہے جو ان کے مزاج وطبیعت، ضرورتوں اور تقاضوں اور ان کی ان کمزوریوں کو بھی خوب جانتا ہے جو انھیں آمادۂ شر کرتی ہیں، "اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ" [ملک:۱۴] (کیا وہ نہ جانے گا جس نے اس کو پیدا کیا ہے)۔

دنیا کی قومیں جس عظیم غلطی کا شکار رہی ہیں، وہ ہے ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہونے والے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو نہ ماننا جو دنیا کی ساری قوموں کے لیے نسخۂ شفاء ہے، اس پیغام میں جو سب کے لیے ہے، سب جگہ کے لیے ہے، اس میں مرد وعورت بوڑھے جوان، کنبہ وخاندان حاکم ومحکوم سب کے لیے راحت وآرام اور سکون واطمینان کا سامان ہے، اور اس کا عملی نمونہ بھی خلافت راشدہ کے زمانے میں پورے ۳۶ رسال تک دنیا دیکھ چکی ہے، اور اس کا میٹھا پھل کھا چکی ہے۔

☆☆☆☆☆

رابطہ ادب اسلامی کا ۳۷ واں کل ہند سیمینار بھٹکل میں

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر کی طرف سے اس کا سہ روزہ سالانہ کل ہند سیمینار بھٹکل (کرناٹک) میں ان شاء اللہ مؤرخہ ۱۸-۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۴-۶ رفروری ۲۰۱۸ء بروز اتوار تا منگل منعقد کیا جانا طے کیا گیا ہے، جس کا مرکزی موضوع ہے:

"مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعوتی ودینی واصلاحی خدمات"

مذاکرۂ علمی کی صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی فرمائیں گے اور مجلسِ استقبالیہ کے سرپرست مولانا محمد اقبال ملاّ ندوی، صدر جناب محمد شفیع شاہ بندری اور سکریٹری مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی ہوں گے۔

مقالہ نگار حضرات اپنی شرکت کے ارادے اور مقالے کے عنوان سے یکم رجنوری ۲۰۱۸ء تک مطلع کرنے کی زحمت کریں تاکہ مقالات کی ترتیب وتنسیق میں سہولت ہو۔

رابطہ کا مستقل پتہ: دفتر عالمی رابطہ ادب اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، ندوۃ العلماء، لکھنؤ-۲۲۶۰۰۷، یوپی موبائل، وہاٹس ایپ نمبر: 09450644216 ای میل: iqbalnadwi@gmail.com

مقامی پتہ برائے مراسلت: مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی، جامعہ آباد روڈ، پوسٹ بکس نمبر ۳۰، بھٹکل ۵۸۱۳۲۰، کرناٹک موبائل، وہاٹس ایپ نمبر: 9620104757 - 8747921585

ای میل: nadviacademy@hotmail.com

نیلی عنوین: ۱-معاصر علماء میں حضرت مولاناؒ کے دعوتی اسلوب کی خصوصیات، ۲-عرب عوام ومسلم حکمرانوں کے لیے حضرت مولانا کا دعوتی اسلوب (الاسمعیات اور اسلامیت ومغربیت کی کشمکش اور حکمرانوں کے نام خطوط وغیرہ کے حوالے سے)، ۳-عالمِ عربی میں مغربی فکر کی تقلید اور اس کے داعیوں کے افکار ونظریات کی علمی انداز سے مخالفت (حضرت مولاناؒ کی تحریروں کے حوالے سے)، ۴-ہندوستانی حکمرانوں سے حضرت مولاناؒ کی دعوتی ملاقاتیں و مراسلات، ۵-نئی نسل کے ایمان کے تحفظ کے لیے حضرت مولانا کی فکرمندی— خطبات وتحریروں کے حوالے سے، ۶-عالمی وملکی تحریکاتِ اسلامی سے حضرت مولانا کے دعوتی روابط، ۷-ملک کی فضا کو پرامن رکھنے کے لیے حضرت مولانا کی مساعی— تحریک پیام انسانیت وغیرہ کے حوالے سے، ۸-اسلامی ادب کے حوالے سے عالمی رابطہ ادبِ اسلامی کا قیام اور علمی دنیا میں اس کے مثبت اثرات، ۹-دینی مدارس کو اپنے بنیادی مقاصد پر قائم رکھنے کے لیے حضرت مولانا کی فکرمندی، ۱۰-نئی نسل میں دینی تعلیم کے فروغ کے لیے حضرت مولانا کی کوششیں— دینی تعلیمی کونسل وغیرہ کے حوالے سے، ۱۱-مسلم عصری یونیورسٹیوں ودرسگاہوں اور عصری تعلیم یافتہ طبقے کے لیے حضرت مولانا کا ہمدردانہ وخیرخواہانہ تعلق، ۱۲-عالمی سطح پر ندوۃ العلماء کے مقاصد کے تعارف اور اس کی ترویج میں حضرت مولانا کا حصہ، ۱۳-دینی مدارس وجامعات میں اصلاحِ نصاب کے تعلق سے حضرت مولانا کی کامیاب عملی نصابی کوششیں، ۱۴-ہندوستان میں عائلی قوانین اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ میں حضرت مولانا کی عملی خدمات... پرسنل لا بورڈ کے صدارتی خطبوں وغیرہ کے حوالے سے، ۱۵-عالمی سطح پر حضرت مولانا کی مقبولیت ومحبوبیت کا راز اور اس کے محرکات، ۱۶-نئی نسل کو اسلام پر باقی رکھنے کے لیے بڑے پیمانے پر عصری اسلامی اسکولوں کی ضرورت پر حضرت مولانا کی فکرمندی، ۱۷-حضرت مولانا کے دعوتی اسلوب کی ضرورت واہمیت عالم اسلام کے موجودہ حالات کے تناظر میں، ۱۸-اسلامی صحافت ومیڈیا کی ضرورت واہمیت پر حضرت مولانا کی دردبھری تحریریں وخطبات، ۱۹-تصوف اور اس کے طریقوں کو متوازن بنانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے میں حضرت مولانا کی کوششیں (ربانیة لا رهبانیة ودیگر تحریروں کے حوالے سے)، ۲۰-امت کو قرآن اور اس کی تعلیمات سے واقف کرانے اور سیرت نبوی سے وابستہ کرنے کی حضرت مولانا کی کوششیں، ۲۱-سابق اصلاحی کوششوں کی قدر اور زمانے کے حالات وتقاضوں کے مطابق اس کے جائزے میں حضرت مولانا کا اسلوب "تاریخ دعوت وعزیمت" وغیرہ کی روشنی میں۔

☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

عرفان محبت

دنیا کی حیاتِ نو کا سرچشمہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بعثت سے پہلے دنیا کے حالات

ذرا چودہ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالیے، اونچی اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجیے، یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آجائیں گے، یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی کبھی جیتی جاگتی تھی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر دیکھ لیجیے، اور سانس روک کر آہٹ لیجیے، کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جارہی تھی، انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے، سوار اور بھیڑیئے، بکریوں اور بھیڑیوں کو کھا رہے تھے، بدی نیکی پر، رذالت شرافت پر، خواہشات عقل پر، پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غالب آچکے تھے، لیکن اس صورت حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج نہ تھا، انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر نہیں آتی تھی، ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ، وزیر، امیر وغریب، اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے کوئی ایسا نہ تھا جس کا جوہر انسانیت خریداروں کے حوصلے سے بلند ہو اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لیے کافی نہیں، یہ ساری دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلے سے کم تھی، اس لیے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لیے پیدا کی گئی، میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی روح کو کس طرح فروخت کرسکتا ہوں؟

قوموں اور ملکوں کے اور ان سے گزر کر قبیلوں اور برادریوں کے اور ان سے آگے بڑھ کر کنبوں اور گھرانوں کے چھوٹے سے چھوٹے گھروندے بن گئے تھے اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان جن کو اپنی سرفرازی اور سربلندی کے بڑے اونچے دعوے تھے، بالشتیوں کی طرح ان گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے، کسی کو ان میں تنگی اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی کو اس سے زیادہ وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا، زندگی ساری سود وسودا اور مکروفن میں گھر کر رہ گئی تھی۔

انسانیت ایک سرد لاشہ تھی، جس میں کہیں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی، انسانیت کی سطح پر خودرو جنگل اُگ آیا تھا، ہر طرف جھاڑیاں تھیں، جسم سے لپٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں، اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور، شکاری پرندہ اور دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی، لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر، پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی خلوتوں میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی خیر منا رہے تھے یا زندگی میں رہتے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کرکے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے یا شاعری سے اپنا غم غلط کررہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مرد میدان نہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت

دفعتاً انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک رودوڑی، نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی، جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کے ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا، ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے، قدیم سیرت نگار اس کو اپنی خاص زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

”کسریٰ شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے، اور آتش پارس ایک دم بجھ گئی“۔

زمانہ حال کا مؤرخ اس کو اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح پر اضطراب پیدا ہوا، اس کی اس اس ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا، مکڑی کا ہر جالا ٹوٹا اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا، زمین کی اندورنی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے کسریٰ وقیصر کے خودساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا؟ زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا، محمد رسول اللہ صلی

File F:\Front.tif not found.

اللہ علیہ وسلم کی بعثت واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظّمہ میں پیش آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو پیغام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو جو پیغام دیا، اس کے مختصر الفاظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں اور دنیا کے کند ذہن پر کبھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی، جیسے ان لفظوں سے پڑی، وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجھلا کر کہا: "أَجَعَلَ الآلِهَةَ إِلٰهاً وَّاحِداً إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ" (کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے، اڑا کر ایک ہی معبود و مقصود مقرر کر رکھا ہے؟ یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے) اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظّم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے: "وَانْطَلَقَ الْمَلأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ" (ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے)۔

"لا الٰہ الا اللّٰہ" کے پیغام کا مطلب

یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری ضرب تھی جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی، اس کا مطلب یہ تھا جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا رہا، یہ دنیا کوئی خودرو جنگل نہیں، بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ پھول جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے، بے مقصد نہیں کہ مل دل کر رہ جائے، اس کے اندر وہ لامحدود طلب، وہ بلند ہمت، وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ سست عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی اس کے لیے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا درکار ہے، جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ دنیا بازیچۂ اطفال ہے، وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی راحت اور وہاں کی تکلیف کے سامنے یہاں کی کوئی تکلیف حقیقت نہیں رکھتی، اس لیے انسان کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت، اس کی خودشناسی، رضائے الٰہی کی طلب اور اس کی زندگی اس کے لیے جدوجہد ہے، انسان کو کسی روح، کسی مخفی و فرضی طاقت، کسی درخت اور پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال و دولت، کسی جاہ و عزت، کسی طاقت و قوت اور کسی روحانیت و عظمت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور سبزے کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں، وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے، وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے، اس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرا کر اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک کے سجدہ سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں، ان کے سامنے سرنگوں اور سربسجود ہیں اور اس کا سر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

کفار مکہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کش

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ مادیات و محسوسات اور جسم و پیٹ کے حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کر سکتا تھا، لوگوں کا ذہن اتنا اتھلا ہو چکا تھا کہ وہ کسی انسان سے متعلق گہرا اور بلند تصور قائم ہی نہیں کر سکتا تھا، انہوں نے کچھ پیمانے بنا رکھے تھے، ہر نئے شخص کو اس پیمانے سے ناپتے تھے، زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں، ہر بلند انسان کو ان ہی کے سامنے لا کر دیکھتے تھے، انہوں نے بڑے غور و فکر اور ذہانت سے کام لیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے آگے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال و دولت کے یا سرمایہ داری و بادشاہی کے یا عیش و عشرت کے طالب ہیں، انصاف کیجیے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور اس نے اپنے زمانے کے حوصلہ مندوں اور شہبازوں کی اس سے بلند پرواز کب دیکھی تھی؟ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، یہ دراصل اس عصر کے ذہن و دماغ اور نفسیات کی سچی نمائندگی اور اس نے جو کچھ کہا وہ زمانہ کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اس کا جواب دیا، وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور امت مسلمہ کی حقیقت کا اصلی اظہار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کسی چیز کے طالب نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کے

داعی ہیں وہ ان کی ان بلند چیزوں سے اس سے بھی زیادہ اونچی ہے جتنا آسمان اس زمین سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتی راحت اور ترقی کے لیے فکرمند نہیں، بلکہ نوع انسانی کی نجات اور اس کی راحت کے لیے بے چین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں اپنے لیے کوئی مصنوعی جنت بنانے کے خواہش مند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل کرنا چاہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سرداری کے لیے کوشاں نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر بادشاہ حقیقی کی غلامی میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی بنیاد پر یہ امت بنی اور یہی پیغام لے کر تمام دنیا میں پھیل گئی، ان کے سفیروں نے جو اپنے اندر دعوت کی سچی روح اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے، کسریٰ اور قیصر کے بھرے دربار میں صاف کہہ دیا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں، ان کو جب اپنے اصولوں پر حکومت قائم کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے، اس کو جاری کر کے دکھایا، ان کی معیاری حکومت کے زمانے میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی ہوتی تھی، کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم چلتا تھا، ان کا حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا تھا کہ لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے، تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا؟ ان کا بڑے سے بڑا حاکم بڑی بڑی بادشاہتوں کے دارالسلطنت میں شان سے رہتا تھا کہ لوگ اس کو مزدور سمجھ کر اس کے سر پر بوجھ رکھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کے گھر پہنچا آتا تھا، ان کی دولت مند سے دولت مند انسان اس طرح زندگی گزارتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی کو زندگی اور اس کی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا، اس کی نظر کسی اور زندگی پر ہے اور اس کو طلب کسی اور راحت و آرام کی ہے۔

دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ ایک دوسری روشن حقیقت بھی ہے

اس امت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان ہے، اس کا ہر ایک فرد پیدا ہو کر اور مر کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی اور ایک دوسری طاقت ہے اور اس زندگی سے زیادہ حقیقی زندگی ہے، وہ دنیا میں آتا ہے تو اس کے کان میں اسی حق کے اذان دی جاتی ہے، مرتا ہے تو اسی شہادت ومظاہرہ کے ساتھ اس کو رخصت کیا جاتا ہے، جب اس دنیا پر بے حسی اور موت کا سکوت طاری ہو جاتا ہے اور شہر کی ساری آبادی معاش کی جدوجہد میں سرتاپا غرق ہو جاتی ہے اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی اور ضرورت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت جیتی جاگتی نظر نہیں آتی، اس کی وہی اذان اس طلسم کو توڑ دیتی اور اس کا اعلان کرتی ہے کہ نہیں جسم اور پیٹ سے زیادہ ایک دوسری روشن حقیقت ہے اور وہی کامیابی کی راہ ہے، "حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح"، بازار کا شور اس نعرہ کے سامنے دب جاتا ہے اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے بندے اس آواز پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں، جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا ہے اور یہ جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان ہوتی ہے، دفعتاً موت کی اس بستی میں زندگی کا سرچشمہ اس طرح ابلتا ہے، جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو، "الصلوٰۃ خیر من النوم" سے اونگھتی، سوتی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا پیغام ملتا ہے، جب کسی طاقت وسلطنت کا کوئی فریب خوردہ "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ" (میں تمہارا سب سے اونچا پروردگار ہوں) اور "مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ" (میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں) کا نعرہ لگاتا ہے تو ایک غریب مؤذن اسی مملکت کی بلندیوں سے اللہ اکبر کہہ کر اس کے دعویٰ خدائی کا تمسخر اڑاتا ہے، اور "أشهد أن لا اله الا الله" کہہ کر حقیقی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے، اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی سے اور اس کا دماغ بہکنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اس عرفان، ایمان اور اعلان کا چشمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور آپ کی تعلیم و دعوت، اور اب یہی عرفان، ایمان اور اعلان دنیا کی حیات نو کا سرچشمہ و صالح انقلاب کا واحد ذریعہ اور راستہ ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

شمع ہدایت

عظمت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

معاملات میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ایک مؤمن کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عام انسانوں سے بالکل الگ معاملہ ہونا چاہیے، یہ چیز خاص طور پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ زیادہ تھی، کیونکہ ان کو اپنی زندگی میں ہر وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا تھا، اسی لیے یہ تعلیم دی گئی کہ عام انسانوں کے مقابلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بلند معاملہ ہونا چاہیے، زیادہ مہذب طریقہ سے پیش آنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بڑھ بڑھ کر بات نہیں کرنی چاہیے، اپنی بات کو اونچے انداز میں پیش نہیں کرنا چاہیے، یہ ذہن میں ہونا چاہیے کہ تم ایسے نبی کے سامنے بیٹھے ہو، جس کا تعلق آسمان سے قائم ہے، جس پر وحی نازل ہوتی ہے، اللہ کا پاکیزہ کلام اس پر نازل ہوتا ہے، گویا ایک آسمانی چیز اس تک پہنچتی ہے جو عام انسانوں تک نہیں پہنچتی۔

عظمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس دنیا میں چار چیزیں ایسی ہیں جن کی بنیاد پر اس کو برتری حاصل ہے، ورنہ یہ دنیا آسمان کے مقابلہ میں بہت حقیر چیز ہے، اگر آسمان کی چیز زمین پر آجائے تو زمین اس کا تحمل نہیں کرسکتی، جیسے بہت بھاری پتھر مٹی پر رکھ دیا جائے تو مٹی دب جائے گی، یا لوہے کے سامنے لکڑی آجائے تو لوہے کے سامنے لکڑی کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، اسی طرح یہ زمین آسمان کے سامنے بہت حقیر اور کمزور ہے، ان چار اہم چیزوں میں پہلی چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم شعائر اللہ میں داخل ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا لیا ہے، اور صاف فرمادیا ہے: "قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" [آل عمران:۳۱] (اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم والا ہے)۔

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ایک دوسری جگہ پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی فرمادیا گیا: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" [الاحزاب:۲۱] (اللہ کے رسول میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسان کامل بنایا، جیسے کوئی ماڈل یا نمونہ ہوتا ہے اس کو دیکھ کر آدمی کسی چیز کی حقیقت کو سمجھتا ہے، اور غور کرتا ہے کہ کس طرح اس کی نقل کی جائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسان کا اعلیٰ نمونہ بنایا، اب اگر کوئی شخص بہتر سے بہتر انسان بننا چاہتا ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کرے، آپ کے طریقہ کو اختیار کرے، آپ کی سنت پر عمل کرے، تو وہ اللہ کے یہاں محبوب و مقرب ہوجائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کو اپنے ساتھ مخصوص کرلیا ہے۔

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا شمار شعائر میں ہوتا ہے، اس لیے آپ کا احترام کرنا، آپ کی بات پر عمل کرنا، آپ کے حکموں کی تعمیل کرنا، آپ سے محبت کرنا ہم سب پر لازمی ہے، محبت کرنے کی بات تو یہاں تک کہی گئی ہے کہ آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اپنے ماں باپ، اپنی اولاد سے بھی زیادہ نہ ہو، یعنی ماں باپ سے زیادہ محبت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونی چاہیے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: "لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب اليه من والده وولده والناس أجمعين". (تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک تمہاری محبت اللہ کے رسول سے ماں باپ، اولاد اور ہر چیز سے زیادہ نہ ہو)۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب کسی صحابی سے ان کے شہید کیے جانے کے وقت یہ معلوم کیا جاتا کہ بتاؤ کیا تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شہید کردیا جائے تم اس پر راضی ہو؟ وہ جواب دیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کانٹا بھی چبھے ہم کو یہ بھی گوارہ نہیں، چہ جائیکہ ان کو شہید کردیا

جائے، صحابہ کرام کو واقعی ایسی ہی محبت تھی، اور اسی محبت کا مطالبہ سارے امتیوں سے ہے کہ آپ سے ایسی محبت ہو جو سوائے اللہ کے کسی سے نہ ہو، نہ ماں باپ سے، نہ اولاد سے، نہ مال و متاع سے، کسی بھی چیز سے اتنا لگاؤ، اتنی محبت نہ ہو جتنی اللہ کے رسول سے ہو، کیونکہ جب محبت ہوگی تو انسان آپ کے نمونہ پر عمل بھی کرے گا، آپ کی سنت کی پیروی بھی کرے گا اور آپ کی ہر ہر چیز کو اچھا بھی سمجھے گا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اپنا جائزہ لے کہ اس کو اللہ کے رسول سے کتنی محبت ہے، اس محبت کا اندازہ صرف کہنے سے نہیں بلکہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے مقابلہ میں کوئی چیز آجائے، عموماً آدمی کو دنیا کے منافع، مال و متاع اور اولاد سے ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ اس سے دین کے معاملہ میں خلل پڑنے لگتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور یہ فرمادیا کہ تمہاری اولاد، تمہارا مال و دولت تمہارے لیے فتنہ ہے، فتنہ کے معنی عربی میں لبھا کر آدمی کو اصل راستہ سے ہٹانے کے ہیں، یعنی آدمی شوق میں غلط کام کرنے لگے، کسی چیز کو اتنا پسند کرے اور اس سے اتنا لگاؤ ہو کہ اس کی وجہ سے وہ غلط کام کردے، لیکن اللہ کے رسول سے آدمی کو اگر صحیح محبت ہو، جیسی محبت کا مطالبہ ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوگا، تو پھر وہ شخص ہزار چیزوں کے باوجود بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرسکتا، کیونکہ انسان کو جس سے محبت وعقیدت ہوگی وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا، لہٰذا ایمان کے مکمل ہونے اور شریعت پر صحیح عمل کے لیے ضرورت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت ہو۔

شعائر اللہ میں دوسری چیز بیت اللہ شریف ہے، جس کا آسمان سے خاص ربط ہے، وہاں آسمان سے نوارنیت کا نزول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ آسمان کے ربط کو برداشت کرسکے، تیسری چیز نماز ہے، جس کو مؤمنین کی معراج بتایا گیا ہے، چوتھی چیز قرآن مجید ہے، جس کے متعلق آتا ہے کہ اگر ہم اس کلام کو پہاڑوں پر نازل کردیتے تو پہاڑ پھٹ جاتے، کیونکہ وہ اس کلام کو برداشت نہیں کرسکتے تھے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنا مبارک کلام اس ترتیب سے اتارا کہ انسان اس کو برداشت کرلیتا ہے، ورنہ اگر بغیر کسی واسطہ کے اتارا جاتا تو اس کا برداشت کرنا مشکل تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کو سب سے پہلے حضرت جبرئیل کو دیا، ان کے ذریعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا، اور اس طرح درمیان میں ان دو واسطوں کے بعد یہ کلام الٰہی ہم تک پہنچا۔

☆☆☆☆☆

حضرت سید احمد شہیدؒ سے متعلق چند دعوتی وایمانی مطبوعات

☆حضرت سید احمد شہیدؒ کا حج اور اس کے اثرات

از:- مولانا سید جعفر علی نقوی بستویؒ

صفحات:-200 قیمت:-120

☆تحریک اصلاح وجہاد

از:- پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ

صفحات : 48 قیمت:30

☆مشہد بالاکوٹ (منظوم)

از:- مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

صفحات : 32 قیمت:20

☆ سید احمد شہیدؒ-شخصیت ، تحریک اور اثرات

از:- ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط

صفحات : 256 قیمت:140

رابطہ:- سید احمد شہید اکیڈمی، رائے بریلی (9919331295)

File F:\Front.tif not found.

اسوۂ حسنہ

سیرت طیبہ کا پیغام عام مسلمانوں کے نام

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو یاد کرنا، حیات طیبہ کے کچھ حالات سننا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرنا، یوں تو سیرت پاک کے نام سے بڑی بڑی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ ان محفلوں میں شرکت کرنے کے بعد بھی ہماری زندگی کے اندر کوئی خاص تبدیلی اور کوئی ایسی امتیازی بات نہیں دکھائی دیتی جو اس محفل کی طرف منسوب ہو، زندگی کا جو معمول پہلے تھا جس طرح ہمارے لیل ونہار گزر رہے تھے، ہم جن مشاغل کے اندر پہلے اپنی زندگی گزار رہے تھے، جس انداز سے ہم پہلے جی رہے تھے اس جیسی محفلوں میں طویل شرکت کے بعد بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، ہم آج بھی اسی بے حسی کے ساتھ اور اسی بے تعلقی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں، اور گویا یہ طے کر رکھا ہے کہ انہیں حالات کے ساتھ زندگی کے یہ لمحے گزر جائیں گے۔

ہونا یہ چاہیے تھا کہ سیرت کی محفلوں میں شرکت کے بعد جب ہم واپس جاتے تو ہمارے اندر کی دنیا تبدیل ہو چکی ہوتی، اور ہمارے عمل کے اندر محسوس ترقی ہو چکی ہوتی، ہمارے خیالات بدل چکے ہوتے، ہمارے وہ اقدامات اور سرگرمیاں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے ان میں بھی تبدیلی آئی ہوتی، لیکن ایسا نہیں ہوتا، کاش! آج کی یہ مختصر مجلس اس تبدیلی کا باعث بنے، ہماری زندگی کے اندر تغیر پیدا ہو، ہم اپنے فکر کے اندر تبدیلی لائیں، ہمارا تعلق دین سے زیادہ سے زیادہ پیدا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سن کر ایسی کیفیت پیدا ہو کہ ہم اس کے بغیر کسی طرح اپنی زندگی کو بہتر نہ سمجھ سکیں، ہمارے اندر جب یہ تبدیلی آنے لگے، ہمارے اندرون کا جب یہ حال ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے منعقد ہونے والی مجلس میں شرکت کے بعد ہمارا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ سے زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں کے اندر جاگزیں ہو جائے، حضورؐ کی محبت تمام محبتوں پر غالب آجائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ ہمارے رگ وپے میں سرایت کر جائے، تب سمجھئے کہ ہم نے کچھ فائدہ حاصل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "بادروا بالأعمال الصالحة، فستكون فتن كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمناً و يمسي كافراً، ويمسي مؤمناً ويصبح كافراً، يبيع دينه بعرض من الدنيا"، أو كما قال عليه الصلاة والسلام یعنی اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرو، اس لیے کہ وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے کہ رات کی تاریکیوں کی طرح یہ تاریک فتنے تم کو ہر طرف سے گھیر لیں گے، اور ان فتنوں میں آدمی کو یہ یاد نہیں رہ جائے گا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، اگر وہ مسلمان ہے تو اس کے اسلام کے تقاضے کیا ہیں، اسکو زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے، شریعت کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہونا چاہیے، اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ساتھ اس کا کیا رویہ ہونا چاہیے، اس کو کچھ نہ یاد رہ جائے، صبح ہوتے ہوتے اس کے خیالات بدل جائیں، اور وہ اپنے آپ کو اسلامی معاشرے کا ایک فرد سمجھنے لگے، لیکن فتنے اتنے تاریک، اتنے گہرے، اتنے دبیز اور اس قدر انسان کو بے دست و پا کرنے والے ہوں گے کہ شام ہوتے ہوتے پھر اس کے خیالات میں تبدیلی آجائے گی اور وہ اسلامی خیالات بدل جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور آپ کی اطاعت کا جو تعلق ہے، وہ اتنا کمزور پڑ جائے گا کہ اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، جب ایسے فتنے آئیں تو ان فتنوں کے آنے سے پہلے اور ان کا شکار ہونے سے پہلے تم نیک کاموں میں جلدی کرو، اس لیے کہ یہی اعمال صالحہ تمہاری کامیابی، اللہ کی نظروں میں تمہاری مقبولیت، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن شفاعت سے وابستگی کا ذریعہ ہیں، کیا یہ اعمال صالحہ ہیں؟ کہ آدمی دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے، شریعت کا پابند ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ اپنے دل کے اندر رکھتا ہے، خدا کو ایک مانتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، دعویٰ کرے کہ وہ نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، حج کرتا ہے،

File F:\Front.tif not found.

صاحب نصاب ہو تو زکوۃ دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ دائرۂ اسلام میں باقی نہیں رہ پاتا، بلکہ فتنوں کی زد میں اس طرح آجاتا ہے کہ فتنے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، اور اسے یہ یاد نہیں رہ جاتا ہے کہ یہ وہی مسلمان ہے جو ابھی یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس کو ایک مانتا ہوں، اس کے ساتھ کسی معبود، کسی الٰہ، کسی خدا کو شریک نہیں سمجھتا، اور جو اسلام کی تمام تعلیمات پر اپنے آپ کو ثابت قدم سمجھ رہا تھا، وہ اس قدر جلد اپنی بات بھول گیا اور اس راستے سے ہٹ گیا جو راستہ اسلام اور نجات کا تھا، جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ" . اس راستے پر چلنے والا انسان جب فتنوں کی تاریکیوں میں آتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو فتنوں کے سپرد کر دیتا ہے، اور ان کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے، اور ہتھیار ڈال دیتا ہے تو وہ توحید کی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس سے وہ روشنی چھین لی جاتی ہے، خواہ تھوڑی ہی دیر کے لیے ہو۔

جب فتنے اتنے دبیز، گہرے، تاریک اور اس قدر انسان کو غافل کر دینے والے ہوں اور اس کو گھیر لیں، تو سمجھ لیجیے کہ اب ہمارے ایمان کی خیر نہیں! ایسی حالت میں کیا چیز ہم کو نجات دلا سکتی ہے، کون سی چیز ہم کو ایمان پر قائم رکھ سکتی ہے، اس کا جواب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اور حکم دے کر فرمایا ہے کہ: اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرو، دوڑو، سبقت کرو، اس لیے کہ یہی اعمال صالحہ فتنوں کی تاریکیوں اور ان کی دبیز چادروں سے تم کو نجات دلا سکتے ہیں۔

اگر اعمال صالحہ نہیں تو ہمیں شکوے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اگر عمل صالح خود بھی ہماری زندگی کے اندر نہ ہو اور ہم یہ کہتے رہیں کہ ہر جگہ فتنے ہی فتنے ہیں، ہر طرف برائیوں اور بداخلاقیوں کا دور دورہ ہے، تو ہمیں یہ کہنے کا حق نہیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر وقت فتنوں کی زد میں ہیں۔

آپ اپنی زندگی کا جائزہ لیجیے، آپ دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب ہم کہاں ہیں؟ کیا ہم اعمال صالحہ کے زیور سے اپنی زندگی مزین کر رہے ہیں؟ ہماری زندگی کے اندر وہ خیر موجود ہے جس کی ضمانت اسلام نے لی ہے؟ اسلام سے اگر ہمارا عملی رشتہ مضبوط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ خیر ہمارے اندر موجود نہ ہو جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" یعنی اللہ نے تم کو خیر امت بنایا جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی، تم اچھی باتوں کا حکم دو، اور بری باتوں سے روکو، تم خیر امت تو اس وقت تھے جب ان لوگوں کو جو برے راستوں پر کھڑے ہوئے تھے، نیکیوں کی طرف بلاتے تھے، عمل صالح کی دعوت دیتے تھے اور ان کو بتاتے تھے کہ یہ راستہ تمہاری کامیابی کا نہیں ہے، اور اس راستے میں تمہارے لیے کسی قسم کا خیر نہیں ہے، اس راستے پر چل کر تم منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہونچ سکتے، یہ ٹیڑھا ذیلی راستہ ہے جو تمہیں کہیں لے جا کر اوندھے منہ گرا دے گا۔

جب تک تم یہ کرتے رہے، اس وقت تک خیر امت تھے، یہ تھا وہ عمل صالح جو اس امت کے سپرد کیا گیا، خیر امت کا بہترین عمل اور اس کی سب سے بڑی ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھی، صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: "يا رسول الله! أخبرني بعمل يدخلني الجنة، ويباعدني عن النار؟ آپ نے فرمایا: "لقد سئلت عن أمر عظيم، وإنه يسير على من يسره الله عليه، تعبدالله ولا تشرك به شيئاً، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت" یعنی مجھے ایسا عمل بتا دیجیے جو میرے لیے جنت میں داخلے کا ذریعہ بنے اور جہنم سے نجات دلا دے، آپ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے! یہ ہے تو بہت مشکل کام، لیکن ان لوگوں کے لیے آسان ہے، جن کے لیے اللہ آسان کر دے، اور فرمایا کہ وہ کام یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور حج بیت اللہ ادا کرو۔

اللہ کی عبادت کے لیے کیا تیاریاں کرنا ضروری ہوتی ہیں؟ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ انجام دینے کے لیے ہمیں کیا بننا پڑتا ہے؟ اور اللہ کی عبادت صحیح طریقے سے ادا کرنے کیلئے کون سا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟ کیا یہ کہ ہم اپنی تمام بداعمالیوں کے ساتھ ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کر لیں اور بس! اور یہ سمجھیں کہ اللہ کا حق ادا ہو گیا! اللہ کے ساتھ ہر چیز کو شریک کرتے ہوئے، چاہے ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو، ہم یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور اس کی عبادت پوری ہو گئی، بالکل صحیح نہیں۔

File F:\Front.tif not found.

اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اللہ تم کو دیکھ رہے ہیں: "أن تعبداللّٰہ کأنك تراہ، فإن لم تکن تراہ فإنہ یراك" جس کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ دیکھ رہا ہے اور تم اس کو دیکھ رہے تو وہ عبادت کتنی اچھی اور کتنی عظیم الشان ہوگی؟ آپ دن رات اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ایک ملازم جب آپ کے سامنے کام کرتا ہے تو وہ کتنے اچھے طریقے سے اور کتنی ذمے داری کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ہمارے آقا ہمیں دیکھ رہے ہیں، وہ کام بہتر سے بہتر انداز سے انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ وہ اس سے خوش ہو اور خوش ہو کر اس کو زیادہ سے زیادہ انعام دے، اس کی تنخواہ میں اضافہ کردے اور اس کے لیے مزید جو بھی سہولتیں ہوسکتی ہیں، ان کو بہم پہنچاوے۔

اور اگر یہ نہ سمجھتے ہوں کہ آپ اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں، تو یہ سمجھئے کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے تو وہ عبادت کیسی اچھی، کتنی شان دار اور کتنی قیمتی ہوگی، اس کے اندر کتنا خشوع وخضوع ہوگا! لیکن اگر آپ یوں ہی نماز پڑھ رہے ہیں، یوں ہی عبادت کررہے ہیں، یوں ہی کلام اللہ کی تلاوت کررہے ہیں، اور آپ کا دل کہیں، دماغ کہیں اور ہو اور آپ کھڑے تو ہیں نماز میں لیکن آپ کا ذہن حاضر نہیں، خشوع وخضوع کا کہیں پتہ نہیں، آپ کے دل میں اس کا کوئی احساس نہیں کہ آپ کا خدا آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے ہیں تو بھلا وہ نماز کیسی ہوگی؟۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو"۔

آپ یہ بتائیے کہ جب ہم اللہ کی عبادت اس حال میں کریں کہ یہ خیال ہی نہ رہ جائے کہ ہم کیا کررہے ہیں، تو کیا وہ عبادت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگی؟ کیا اللہ کی نظروں میں اس کی کوئی قیمت ہوگی؟ آپ عبادت تو اللہ کی کر رہے ہیں اور آپ کا ذہن بازار میں کام کررہا ہے، جسم آپ کا مسجد میں ہے اللہ کے سامنے، اللہ کے دربار میں کھڑے ہیں، لیکن آپ کا دل ودماغ دوسری جگہ ہے، کیا یہ اللہ کے ساتھ اللہ کی عبادت میں شرک نہیں ہے کہ آپ نے اللہ کی عبادت میں اپنے کاروباری ذہن کو شریک کردیا؟ جس مسئلے کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں!! اور صرف یہی نہیں کہ جائز معاملات میں، بلکہ اکثر ناجائز معاملات کے اندر، مالی معاملات کے اندر اور نفع ونقصان کے معاملات کے اندر ذہن چلتا ہے، ادھر مسجد میں کھڑے ہوکر بظاہر اللہ کی عبادت ہورہی ہے، اور حقیقتاً اللہ کی عبادت کے ساتھ شرک کیا جارہا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف "تعبداللّٰہ" نہیں کہا، بلکہ فرمایا: "تعبداللّٰہ ولا تشرك بہ شیئاً" اس لیے کہ شرک ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے بہت کم بچ پاتا ہے۔ جو لوگ بہت عظیم المرتبت ہوتے ہیں، جن کا تعلق اللہ سے بہت گہرا ہوتا ہے، وہی اللہ کی عبادت کے وقت اللہ کی طرف پوری طرح ہمہ تن، دل سے بھی دماغ سے بھی، جسم وروح سے بھی اور اپنے اعضاو جوارح ہر چیز سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں کسی چیز کا گزر نہیں، لیکن اگر ہمارے اندر اعمال کی وہ پختگی نہیں ہے اللہ سے ہمارا وہ گہرا تعلق نہیں جو اس سے ہونا چاہئے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں جو جان دی تھی اس جان کی قیمت ہم نے ادا نہیں کی: "إِنَّ اللّٰہَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ، وَذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے خرید لیا، مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو، کس چیز کے بدلے؟ اس کی قیمت انہوں نے کیا دی ہے؟ جان ومال اسی نے دیا اور اسی نے اس جان ومال کو خرید لیا جنت کے بدلے میں۔

تو اگر ہمیں اللہ سے وہ تعلق ہے، وہ محبت ہے، اللہ کی راہ میں وہ جذبۂ فنائیت ہے تو ہمارے سارے کام بہتر ہوں گے، ہماری زندگی صرف اللہ کے لیے گزرے گی اور اس کا ایک ایک لمحہ اللہ کے لیے ہوگا، اللہ ہر وقت ہمارے ذہنوں میں ہوگا، ہر کام میں اللہ کا خیال ہمارے دل میں ہوگا اور جب ہماری یہ کیفیت ہوجائے گی تو ہمارا ہر عمل اللہ کی ناراضگی اور شرک کے شائبہ سے پاک اور محفوظ ہوگا۔

اگر یہ دنیا کے خادم اپنے فرضی اور وقتی آقاؤں کے لیے جان دے دیتے ہیں، تو وہ اللہ جس نے ہم کو سب کچھ دیا ہے، ہمیں جان دی، انسان بنایا، اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا، اس مالک حقیقی کیلئے ہم نے کیا کیا؟ کس طرح ہم اس پر مرمٹے؟ اس کی راہ میں ہم نے کون سی جان دے دی؟ کون سا مال خرچ کردیا؟ اس کا کون سا حق ادا کردیا؟ (جاری)

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

فکرمعاصر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — پیمبر علم وہدایت

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

قرآن کریم نے سرورکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد اوصاف ذکر کیے ہیں، کہیں آپ کو مبشر ومنذر (خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا) کہا گیا ہے، کہیں داعی ومبلغ کہا گیا ہے، کہیں سراجاً منیراً اور کہیں معلم علم وحکمت اور مزکی اخلاق کہا گیا ہے: "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً ومُبَشِّراً ونَذِيراً، وَدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُنِيراً" [سورہ احزاب: ۴۵-۴۶] (اے نبی یقیناً ہم نے ہی آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن سورج)، "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه واللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَاسِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الكَافِرِينَ" [سورہ مائدہ: ۶۷] (اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالی لوگوں سے بچالے گا، بے شک اللہ تعالی کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)، "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ" [سورہ حجر: ۹۴] (غرض آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف سنا دیجیے اور مشرکین سے گریز کیجیے)، "هُوَ الذي أَرْسَلَ رَسُولَه بِالهُدَى وَدِينِ الحَقِّ لِيُظْهِرَه عَلَى الدِينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ" [سورہ صف: ۹] (اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے اور تمام مذہب پر غالب کردے اگر چہ مشرکین ناخوش ہوں)۔

سیرت نگاروں نے حیات طیبہ کے ان روشن پہلوؤں کو خوب اجاگر کیا ہے، لیکن حیات طیبہ کے ایک اہم ترین پہلو کو بھرپور پیش نہیں کیا جاسکا، اور وہ پہلو ہے آپؐ کے معلمِ علم وحکمت ہونے کا، یہ آپ ہی کا فیض اور احسان ہے کہ پوری دنیا علم ومعرفت اور حکمت و دانائی کے نور سے منور ہے، قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفت عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے پوری دنیا ضلالت وگمراہی اور جہالت و ناخواندگی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں تھی، دنیائے انسانیت پر آپ کے دیگر عظیم احسانات کے علاوہ ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ آپ دنیا کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائے، ارشاد باری تعالی ہے: "هُوَ الذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَالحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" [سورہ جمعہ: ۲] (وہی جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشن کی وضاحت کی ہے، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے رشد وہدایت اور علم کا جو پیغام دیکر مجھ کو مبعوث کیا ہے، اس کی مثال موسلا دھار بارش کی ہے، جو زمین کے کسی خطہ پر ہو، جہاں کے بعض حصے پانی کو قبول کرلیں اور جذب کرلیں، تو وہاں کثرت سے سبزہ اور ہریالی آجاتی ہے، اور زمین کا کچھ حصہ ایسا بھی ہوتا ہے جو پانی کو روک لیتا ہے، تو اللہ تعالی اس سے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، کہ خود پیتے ہیں، اور دوسروں کو پلاتے ہیں اور کاشتکاری کرتے ہیں، اور زمین کا کچھ حصہ ایسا ہوتا ہے جو پانی کو قبول نہیں کرتا ہے اور نہ جذب کرتا ہے، اور نہ وہاں سبزہ اگتا ہے، یہی (پہلی) مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا ہے، اور اس سے فائدہ اٹھایا، اور میرے لائے ہوئے پیغام سے استفادہ کیا، لہٰذا خود بھی سیکھتا اور عمل کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے، اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے میرے لائے ہوئے پیغام پر نہ کوئی توجہ کی، اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جو میں لے کر آیا ہوں۔ [بخاری]

File F:\Front.tif not found.

نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد علم کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی، اسی نبی امی نے علم کو ایسا عزو وقار اور علماء کی ایسی قدر ومنزلت بڑھائی کہ کہیں اور اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، حصول علم پر نبی امی نے بڑا زور دیا ہے اور اس کی بار بار تاکید فرمائی ہے، اور خود قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترقی علم کی تلقین کی ہے:"وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً" [سورہ طہ: ۱۱۴] (آپ کہیے کہ اے میرے رب بڑھا دے میرے علم کو)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں میں اضافہ علم کی بھی دعا تھی: "اللّٰهم إني أسئلك علماً نافعاً، ورزقاً طيباً، وعملاً متقبلاً" (اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، پاکیزہ رزق اور قبول ہونے والے عمل کا طلب گار ہوں)۔

نبی امی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا آغاز لفظ اقرأ (پڑھ) اور علم سے ہوا:"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" [سورہ اقرأ: ۱-۵] (پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے آپ کا رب بہت کریم ہے، وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا، وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں)۔

اس وحی میں قلم کو علم کا عظیم وسیلہ قرار دیا گیا، جس سے علم کا تاریخی سفر وابستہ ہے، اور جس سے تصنیف وتالیف کی عالمگیر تحریک جاری ہوئی، اور علم ایک فرد سے دوسرے فرد، ایک قوم سے دوسری قوم، ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا، دنیا میں علم کی اشاعت اور انسانی ضرورت کے مطابق اس کی عمومیت (پھیلاؤ) کا فخر اسی کو حاصل ہے، اور اس کی گردش وجنبش سے مدارس وجامعات اور علمی اداروں اور کتب خانوں کی دنیا آباد ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلم ومزکی کہا گیا:"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ، وَيُزَكِّيهِمْ، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" [سورہ جمعہ: ۲] (وہی تو ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک پیمبر بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے دراں حالیکہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے)۔

حدیث شریف میں وارد ہے:"أدبني ربي فأحسن تأديبي" ایک دوسری روایت میں ہے:"بعثت متمماً لمكارم الأخلاق" مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے، آپ کے نمایاں اوصاف میں معلم علم، ناشر علم، اور مزکی ہے، یہ ایک حسین امتزاج ہے، جو انسان کا معیار زندگی بلند کرتا ہے، اور دیگر انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور مثالی زندگی کی تعمیر میں مدد ومعاون ہوتا ہے۔

تعلیم وتعلم اور لکھنے پڑھنے کا آغاز بعثت محمدی سے ہوا، اس سے پہلے ادیان ومذاہب میں کسب علم اور تعلیم پر پابندیاں عائد تھیں، بلکہ فکر وتدبر اور کتاب مقدس کے علاوہ دیگر کتابوں پر پابندی تھی، اسلام نے تعلیم وتعلم کے دروازے کھولے، جیسا کی پہلی وحی سے معلوم ہوتا ہے، جس میں علم کے بعد اس کے وسیلہ قلم کا تذکرہ ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ تفکر، تدبر، شعور وآگہی، علم، عقل، فقہ، تفقہ اور تدبر فی خلق اللہ کے الفاظ آئے ہیں، لہٰذا اسلام نے ایک نئے عہد کا آغاز کیا، انسانیت کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لایا، اور مذہبی پیشواؤں کے ظلم وزیادتی سے نکال کر جنہوں نے تعلیم وتعلم سے لوگوں کو محروم کر رکھا تھا، اور ارباب علم کو تختۂ دار پر چڑھا دیا تھا، حصول علم کی آزادی عطا کی۔

اسلام نے پہلا مدرسہ ہجرت سے پہلے دار الارقم میں کھولا، اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ میں مسجد نبوی میں قائم کیا، غزوہ بدر میں قریش کے جو افراد گرفتار کیے گئے، ان کا زر فدیہ تعلیم مقرر ہوا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، عہد نبوی کے بعد خلفاء اور مسلم سلاطین وامراء نے اس روش کو باقی رکھا، جگہ جگہ مساجد کے ساتھ ساتھ مدارس قائم کیے، لہٰذا نماز سے فراغت کے بعد مسجدیں مدرسوں میں تبدیل ہو جاتیں، اسلام کی اولین دانش گاہوں میں جامع قرویین، جامع عمرو بن العاص، جامع زیتونہ ہیں، اس کے بعد قاہرہ میں جامع ازہر اور اس کے بعد بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم کئے گئے، ان کے علاوہ اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں مسلم حکام اور اہل ثروت کی سرپرستی میں مدارس اور علمی وتعلیمی ادارے قائم تھے، جہاں تشنگان علم دور دراز کا سفر طے کر کے آتے اور کسب علم کرتے، اسلامی تاریخ میں سیکڑوں

File F:\Front.tif not found.

مثالیں ملتی ہیں کہ مسلم علماء نے کسب علم کے لیے کیسی کیسی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کیں، مسلم حکام اور سلاطین نے علماء اور تشنگان علم کی ہمت افزائی کی، مسلمانوں نے ہر دور میں اور ہر جگہ کسب علم اور اشاعت علم کے میدان میں ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیے جن کی کسی اور قوم و مذہب میں مثال نہیں ملتی، میدانِ تعلیم وتعلم میں مسلم علماء کے صبر وتحمل، عرق ریزی، جفاکشی، جانفشانی اور قربانیوں کی مثالیں سیر و سوانح اور تاریخ علوم وفنون میں جابجا دیکھی جاسکتی ہیں، جن سے مسلمانوں کے علمی ذوق وشوق اور طلب علم کا اندازہ ہوتا ہے، یہ سب نبی امی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا فیض ونتیجہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے کسی چیز کے علم کا سوال کیا گیا اور اس نے چھپا لیا بتایا نہیں، تو ایسے شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالی آگ کی لگام پہنائے گا۔[ترمذی]

حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ ایک ہزار عابد سے زیادہ شیطان پر بھاری پڑتا ہے۔[ابن ماجہ]

کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابودرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ دمشق کی ایک مسجد میں بیٹھا تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا: اے ابودرداء! میں ایک حدیث شریف کے سلسلہ میں تمہارے پاس آیا ہوں، میری اور کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے معلوم ہوا کہ وہ حدیث آپ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، ابودرداء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو علم کی تلاش وجستجو اور طلب میں کوئی راستہ طے کرتا ہے، تو اللہ تعالی اسے ایک منزل جنت سے قریب کردیتا ہے، طالب علم کے لیے فرشتے اپنے پر بچھادیتے ہیں، عالم کے لیے اہل آسمان، اہل زمین حتی کہ پانی کے اندر مچھلیاں مغفرت ورحمت کی دعائیں کرتی ہیں، عالم عابد کے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو چودھویں کے چاند کو دیگر تاروں پر حاصل ہے، علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کرام نے دینار ودرہم نہیں بلکہ یہ علم ہی میراث میں چھوڑا ہے تو جس نے اسے حاصل کیا اس نے بڑا حصہ پایا۔[جامع ترمذی]

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ سے دو شخصوں عالم اور ایک عابد کا تذکرہ کیا گیا، آپ نے ارشاد فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنی انسان پر ہے۔[ترمذی]

انس بن ملک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم حاصل کرو خواہ چین کا سفر کرنا پڑے، کیونکہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔[ابن عبدالبر]

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسد صرف دو شخصوں پر جائز ہے، ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالی نے مال عطا کیا ہو اور اس نے اسے حق کے راستہ میں خرچ کیا، دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالی نے علم وحکمت سے نوازا ہو، اس نے خود بھی اس پر عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا بھی۔[ابن عبدالبر]

حضرت عبد للہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن عالم کو عابد پر ستر گنا فضیلت حاصل ہے۔[ابن عبدالبر]

علم کی اس قدر افزائی اور ترغیب کے نتیجہ میں مسلمانوں میں ایسا علمی نشاط بلکہ ایک ایسا جوش وجذبہ اور علم کے لئے فدائیت وفنائیت کا ولولہ پیدا ہو گیا جس کے نتیجہ میں عالمی اور ابدی علمی تحریک نے سب سے بڑی زمانی اور مکانی مسافت طے کی ، اور اس کی معنوی مسافت تو ان دونوں سے بڑھی ہوئی ہے، یہ علمائے اسلام ہی کا فیض ہے کہ آج دنیا کے بڑے بڑے مکتبات اور کتب خانے آباد ہیں، مسلم علماء، فلاسفہ اور حکمائے اسلام نے جو نادر اور بیش بہا علمی خزانے چھوڑے ہیں ان سے آج بھی طالبان علوم ایک ہزار سال گزر جانے کے باوجود اپنے ذہن ودماغ کی آبیاری کررہے ہیں، اور یہ بھی مسلمانوں کی ہی علمی قدردانی کا فیض ہے کہ شہر تو درکنار قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں لائبریریاں قائم ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

''اس کے نتیجہ میں وہ فکری سرگرمی سامنے آئی جس نے علوم وصنائع اور تہذیب انسانی کو متأثر کیا، اور اس کا اثر ساری دنیا پر پڑا، گویا ایک ایسا وسیع دریچہ اور روشندان کھل گیا جس سے روشنی اور تازہ ہوا آنے لگی، اور اسلام نے گویا اس قفل کو توڑ یا کھول دیا جسے آزادی اور فکر سلیم کے دشمنوں اور قدیم مذاہب کے

File F:\Front.tif not found.

غلط نمائندوں نے عقل انسانی پر ڈال رکھا تھا، اور دنیا اپنی اس گہری نیند سے بیدار ہوگئی جو اس پر ہزاروں سال سے طاری تھی، اس نے اس نیند سے اپنی آنکھیں پونچھ کر اپنی فوت شدہ ترقی کی بازیافت اور راستہ کی مشکلات سے نمٹنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھنا شروع کیا، اس عالمی تأثر اور متنوع تحریک کے بارے میں ایک بڑا فرانسیسی عالم (Jollivet Castelot) اپنی کتاب ''قانون تاریخ'' (L,Historie Laloi) میں لکھتا ہے:

''وفات نبوی کے بعد عربوں نے بڑی تیز رفتار ترقی کی، اور اشاعت اسلام کے لئے وقت بھی سازگار تھا، اسی کے ساتھ اسلامی تہذیب نے بھی حیرت انگیز ترقی کی، اور فتوحات کے جلو میں وہ ہر جگہ فروغ پانے لگی، اور اس طرح عرب چند صدیوں تک اپنے ہاتھوں میں عقل کی مشعل اٹھائے رہے اور ان تمام علوم کی نمائندگی کی جس کا تعلق فلسفہ، فلکیات، کیمیا، طب، اور روحانی علوم سے تھا، اس طرح وہ صرف عرفی معنوں ہی میں فکری رہنما اور موجد و مخترع نہیں، بلکہ اپنی علمی خدمات کے نتیجہ میں جنہیں انہوں نے بڑی عالی دماغی سے انجام دیا، وہ اس کے بجا طور پر مستحق تھے''۔[تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات، ص:۱۱۵]

گوسٹاف لیبان لکھتا ہے:

''عربوں ہی نے یورپ کو علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن کی دنیا سے متعارف کرایا، عرب ہمارے محسن تھے، اور چھ صدیوں تک ہمارے پیشوا اور مقتدا رہے''۔

گوسٹاف لیبان مزید لکھتا ہے:

''عربوں کے یورپ پر بڑے عظیم احسانات ہیں، عربوں نے پورے یورپ پر دوررس، دیرپا اور گہرے اثرات ونقوش چھوڑے ہیں، یورپ کی تہذیب وتمدن اور ترقی کے اصل معمار عرب ہی ہیں، عربوں کے اثرات واحسانات کا صحیح اندازہ اسی وقت لگایا جاسکتا ہے جبکہ یورپ کا وہ تاریک دور نظروں کے سامنے ہو جس میں بیداری شروع ہوئی، جب ہم نویں اور دسویں صدی عیسوی پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف اسپین میں اسلامی تہذیب بام عروج پر تھی، تو دوسری طرف مغرب میں علمی مراکز چند برجوں سے عبارت تھے، جن میں ان پڑھ اور غیر مہذب حکمراں رہتے تھے، جنہیں اپنے ناخواندہ ہونے پر فخر تھا، اور یورپ میں تعلیم یافتہ طبقہ جاہل اور نادار راہبوں پر مشتمل تھا''۔

[حضارۃ العرب، ص:۵۶۴]

رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) اپنی کتاب (The Making of Humanity) میں لکھتا ہے: ''یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں، جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو''۔

آگے چل کر لکھتا ہے: ''صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلّم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہوجاتی ہے، جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوتی ہیں''۔

آج مغرب کے ارباب علم مسلمانوں کو جہالت کا طعنہ دے رہے ہیں، یہ جہالت اگر ہے تو ان کی ظالمانہ سیاست کا نتیجہ، جس پر یورپی سامراجیوں نے ایک صدی یا دو صدی کی حکمرانی کے درمیان عمل کیا، حقیقت یہ ہے کہ مغربی طاقتوں نے ہی مسلمانوں کے ملکوں میں ایسے حالات پیدا کیے جن سے علم وترقی کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں، انہوں اپنے سامراجی عہد میں حصول علم کے راستے میں روڑے اٹکائے، اور جہاں تک ممکن ہوسکا مغلوب اور مظلوم قوموں کو اپنے سامراجی مفادات کی خاطر کسب علم سے دور رکھا، خود اپنی جہالت اور ناخواندگی کے تاریک دور پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مغربی دانشور یونانیوں کو سرچشمۂ علوم بتارہے ہیں، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ ان کی تصنیفات چھ سو سال تک اسکندریہ، ایتھنز اور قسطنطنیہ کی بوسیدہ عمارتوں میں مقفل پڑی رہیں، اور بالآخر ان کو طاق نسیاں سے مسلمانوں ہی نے نکالا، ان کے عربی ترجمے کیے، یہی ترجمے یورپ کی نشأۃ ثانیہ میں اہل یورپ تک پہونچے اور ان کے لیے مشعل راہ بنے، آج اس بات کی بھرپور کوشش ہورہی ہے کہ بیداری سے پہلے اسلامی سرچشموں سے یورپ کے استفادہ اور کسب فیض کو چھپایا جائے، یہ روش تاریخ سے ناواقفیت یا حقیقت سے چشم پوشی پر مبنی ہے، جبکہ بعض انصاف پسند مغربی فضلاء اس میدان میں مسلمانوں کے احسان اور فضل کا اعتراف کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

احسانات وانعامات

کائنات کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد علاء الدین ندوی

کائنات مکمل نعمتوں کا خزانہ

یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی خوبیوں، نعمتوں اور رحمتوں کا خزانہ ہے، یہاں ایک حقیر ذرہ سے لے کر پرشکوہ پہاڑ تک، بحر و بر سے لے کر شمس وقمر تک، آکاش سے لے کر پاتال تک کی ہر شے ایک بیش بہا نعمت ہے، شاید کبھی بارش کے قطروں کو، صحراء کے ریتوں کو اور آسمان کے جھلملاتے تاروں کو گننا ممکن ہو جائے، مگر اللہ کی نعمتوں کا شمار ناممکن ہے، قرآن کریم کا دعوی ہے: "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" [النحل:۱۸] (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا شمار نہ کر سکو گے اللہ بے حد معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے)۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا: "وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ" [ابراہیم:۳۴] (اور اس نے تم کو ہر چیز دی جس کے تم طالب رہے، اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو ان کا شمار نہ کر پاؤ گے بے شک انسان بڑا ہی حق تلف ناشکرا ہے)۔

انسان نے ہاتھ پھیلا کر اپنی ضرورتوں کا سامان مانگا ہو یا نا مانگا ہو، اپنی خلقت اور اپنی فطرت کی رو سے جن جن چیزوں کا وہ محتاج تھا وہ ساری چیزیں اللہ نے اپنی حکمت و مصلحت سے اس کے لیے مہیا کر دیں، لیکن انسان کی ناشکری دیکھیے کہ وہ مرتے دم تک اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر گن کسی اور کی گاتا ہے۔

نعمت کی دو بڑی قسمیں

ان اربوں کھربوں اور ان گنت نعمتوں کی دو بڑی اور موٹی قسمیں کی گئی ہیں: ایک ظاہری نعمتیں، دوسری باطنی نعمتیں۔

ظاہری نعمتیں تو وہ ہیں جو ہمیں کھلی آنکھوں سے نظر آتی ہیں؛ ہوا، پانی، کھانا، دھوپ، رات، دن، جنگل، پہاڑ، دریا، سمندر، آسمان اور بحر و بر میں چاروں طرف پھیلی ہوئی اور ان میں چھپی ہوئی ساری نعمتیں، مثال کے طور پر صرف ایک دھوپ (سورج) کو لے لیجیے، یہ اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر سورج کا وجود نہ ہوتا تو اس کائنات میں سرے سے زندگی کا وجود نہ ہوتا، یا کم از کم اس دنیا میں زندگی کا ظہور ناممکن ہوتا، سورج کی گرمی نہ ہوتی تو سمندروں سے بخارات نہ اٹھتے، بخارات نہ اٹھتے تو بادل پانی سے بوجھل نہ ہوتے، بادلوں میں پانی جمع نہ ہوتا تو برکھا نہ ہوتی، برکھا کی شکل میں رحمت خداوندی کا نزول نہ ہوتا تو اس دنیا میں کسی جاندار کے زندہ رہنے کا امکان نہ تھا۔

دوسری قسم باطنی نعمتوں کی ہے، یہ نعمتیں آنکھوں سے تو نظر نہیں آتیں مگر انہیں دل و دماغ محسوس کرتا ہے، مثلاً خدا کی معرفت، اس کی محبت، علم کی دولت، ایمان کی دولت، محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، ماں باپ کی شفقت وتربیت کی نعمت وغیرہ وغیرہ۔

آپؐ کی بعثت دنیا کی سب سے بڑی نعمت

مگر ان تمام نعمتوں میں اعلیٰ ترین اور عظیم الشان نعمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، آپؐ ہی کی ذات کے ظہور سے اور آپ ہی کی بعثت کے نتیجے میں ہمیں اللہ کی پہچان نصیب ہوئی، ہمیں ایمان کی دولت ملی، ہمیں جینے کا سلیقہ آیا، ہمیں دوسروں کے حقوق معلوم ہوئے، ہمیں انسانوں کو ان کی مجرمانہ زندگی اور بے راہ روی کے دلدل سے نکالنے کی توفیق ملی، آپؐ کی بعثت نہ ہوئی ہوتی تو ہمیں نہ تو خدا کی معرفت حاصل ہوتی، نہ اپنے مقصد زندگی کا عرفان حاصل ہوتا، نہ آخرت کا صحیح عقیدہ ملتا، نہ اعلیٰ اخلاقی قدروں سے روشناس ہوتے۔

نتیجے کے طور پر یہ کہنا درست ہوگا کہ اگرچہ اللہ کی معرفت ومحبت اور اس کی عبادت واطاعت ہی مقصود بالذات ہے، وہی اول وآخر ہے، وہی ملجا ومنتہا ہے، مگر ترتیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ورسالت (اور ختم رسالت) پر ایمان لانا اسبق واول ہے، ایسا اس لیے ہے کہ خدا کی معرفت، توحید کی حقیقت، قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی حقیقت ہمیں آپؐ ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت وبعثت نہ ہوئی ہوتی تو یہ دنیا اس وقت جانوروں سے بدتر ہوتی، بلکہ یہ کائنات کب کی تباہ کی جا چکی ہوتی، اس گفتگو سے اتنی بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مادی نعمتوں کی تمام تر اہمیت وضرورت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی بعثت انسانوں کے لیے سب سے بڑی

File F:\Front.tif not found.

نعمت اور سب سے بڑی ضرورت ہے۔

آپؐ کی دو ولادتیں ہوئیں

اس بات سے کسی کو حیرت نہ ہونی چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو ولادتیں ہوئی ہیں، ایک ولادت تو ۱۲؍ربیع الاول یا ۹؍ ربیع الاول میں ہوئی، جب، حسن و جمال کا بے مثال پیکر جمال محمدی کی شکل میں آمنہ کی گود میں ہویدا ہوا تھا، جس کے جمال ظاہری سے سچ مچ شمس وقمر اور انجم وکواکب شرمائے تھے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی ولادت تھی، اس جسمانی ولادت سے جمال محمدی کا ظہور ہوا تھا، جمال محمدی کا ایسا ظہور اس دھرتی میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، چالیس سال چار مہینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی ولادت ہوئی، آپؐ کو رسالت وختم نبوت سے سرفراز کیا گیا، آپؐ کو ہدایت انسانی کا وہ ازلی و ابدی اور عالمگیر وہمہ گیر پیغام بخشا گیا جو زمان و مکان کی قیود سے ماراء ہے اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے خدا کی آخری نعمت بھی ہے اور ہدایت کا سرچشمہ بھی۔

ایک انقلابی اور تاریخی دن

یہ دن، جس دن غار حراء میں خدا نے اپنے بندے سے کلام کیا اور آپ کو آخری بار نبوت کا تاج زریں بخشا، انسانی تاریخ کا تاریخی اور انقلابی دن تھا، اس سے بڑا تاریخی اور انقلابی دن حقیقت میں انسان کی تاریخ میں کبھی آیا ہی نہیں، غور کیجیے تو آخر اس مشت خاک (انسان) کی حقیقت ہی کیا ہے، ماءِ مہین (گھٹیا پانی) سے پیدا کیا گیا انسان، اس کی اوقات ہی کیا ہے، مگر آج حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے اس انسان کو ہم کلامی کا شرف بخشا جارہا ہے، یہ انقلابی، تاریخی اور مبارک دن جس کا آغاز غار حراء سے ہوا تھا، انسانیت کی تاریخ میں دوبارہ کبھی بھی واپس نہیں آسکتا، اب انسان براہ راست خدا کا مخاطب کبھی نہیں بن سکتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا: آؤ ام ایمنؓ کے یہاں چلیں، جب ہم دونوں ان کے گھر پہنچے اور بیٹھ گئے تو حضرت ام ایمن رونے لگیں، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: آپ کیوں روتی ہیں؟ آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو نعمتیں مہیا ہیں وہ یہاں کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہیں، حضرت ام ایمن نے فرمایا: میں جانتی ہوں کہ اللہ کے یہاں جو کچھ ہے وہ بدرجہا بہتر ہے، لیکن میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ وحی کا سلسلہ اب ہمیشہ کے لیے آسمان سے منقطع ہو گیا، اس بات نے ان دونوں حضرات کو بھی رُلا دیا۔

حضرت ام ایمن کو اس بات کا کیسا گہرا ادراک تھا کہ ہدایت و رسالت کی وہ عظیم نعمت جس کا سلسلہ محسن اعظم، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت یا روحانی ولادت سے شروع ہوا تھا اب ہمیشہ کے لیے اس کا دروازہ بند ہو گیا، اب اللہ تعالی قیامت تک کسی بندے کو ہم کلامی کا شرف نہیں بخشے گا۔

۱۲؍ربیع الول کو جسمانی ولادت ہوئی تو جمال محمدی اور سراپائے رسول اللہ کا ظہور ہو، اس جمال محمدی کی پوری تفصیلات شمائل کی کتابوں میں موجود ہے، اکتالیسویں سال روحانی ولادت ہوئی تو اس سے کمال محمدی اور حقیقت محمدی کا ظہور ہوا، وہ کمال جو آپ کی سیرت حسنہ کے آئینہ میں جھلملاتا ہے اور متحرک نظر آتا ہے، اصل یہ ہے کہ یہی ہمارے لیے نمونہ ہے، اسی کی پیروی کا ہمیں حکم ہوا ہے۔

ولادت جسمانی کو اہمیت کیوں؟

لیکن عام لوگ جسمانی ولادت کو اہمیت دیتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ اس کی دو وجہیں ہیں:

ایک تو یہ کہ ولادت کا یہ مبارک دن حد درجہ خوشی کا موقع ہے، اس ولادت کے تذکرے میں ہماری عقیدت ومحبت پنہاں ہوتی ہے اور ایسا کرنا ایک نوع کی عبادت بھی ہے، لیکن یہ سچ ہے کہ اس ولادت مبارکہ کے ذکرِ خیر میں ہمارے لیے کوئی پیغام نہیں ہے، اس حوالے سے ہمارے لیے اس میں کوئی عملی نمونہ نہیں ہے، نہ اس دن کے حوالے سے ہم پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ روحانی ولادت کا تذکرہ ہم پر بھاری ذمہ داریاں عائد کرتا ہے، کیونکہ بعثت کے بعد کی کل حیات طیبہ کی پاکیزہ سیرت ہی ہمارے لیے اصلاً نمونہ ہے، آپ کی عبادات، آپ کے معمولات، آپ کے معاملات، آپ کا کارِ دعوت، اور اس راہ کی جانفشانیاں، آپ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی، غرضیکہ آپ کی ۲۳ سالہ زندگی کا ہر قول، فعل، امر و نہی، دعوت و تذکیر، ہمارے لیے نمونۂ کامل و اکمل ہے، یہ انسان کی فطری و داخلی کمزوری ہے کہ وہ ذمہ داریوں کی راہ سے فرار چاہتا ہے، ولادت نبوی کے تذکرے میں ایسی عظیم الشان ذمہ داریاں مضمر نہیں ہیں، اس لیے سہل پسند طبیعت کا خوگر انسان ولادت نبوی کی طرف طبعاً زیادہ مائل ہوتا ہے اور ذمہ داریوں کے

File F:\Front.tif not found.

بوجھ سے فرار چاہتا ہے۔

روحانی ولادت ہی مقصود و مطلوب ہے، مگر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ جسمانی ولادت نہ ہوتی تو روحانی ولادت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا، لہٰذا پہلی (جسمانی) ولادت تو اصل ہے تو دوسری (روحانی) ولادت مقصود و مطلوب، جسمانی ولادت (جس کا مکمل اور دلکش بیان شمائل نبوی ہے) تو ایک سانچہ اور ڈھانچہ ہے، جس میں قرآنی اخلاق اور منشائے ایزدی کا جوہر اپنے حد کمال میں موجود ہے، کون نہیں جانتا کہ جیسا سانچہ ہوتا ہے ویسا ہی ساز و سامان ڈھلتا ہے، پہلی چیز صورت ہے تو دوسری چیز سیرت ہے، انسان کی سیرت کو پہچانے کا ذریعہ صورت ہی ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالِ انسانی اور اخلاق ربانی کا گنج گرانمایہ تھے، ان کمالات کے تعارف کا ذریعہ تو جسم محمدی ہی ہوگا، جس کا ظہور آمنہ بنت وہب کی گود میں ہوا، کسی بھی جاندار کے لیے جسم کا وجود نہ ہوتا تو یہ روح کہاں استقرار پکڑتی۔

اس اہمیت کے باوجود جسموں ڈھانچوں اور اور ظاہری صورتوں کی خرابی یہ ہے کہ وہ تغیر پذیر ہوتی ہیں اور فنا سے دوچار ہو کر نیست و نابود ہو جاتی ہیں، جبکہ اچھے اخلاق اور ربانی قدریں، ربانی صفات اور کمالاتِ خداوندی کا عکس ہوتی ہیں اور ظاہر ہے، خدائی صفات و کمالات و خوبیوں کو زوال نہیں ہے، انسان کے مرنے سے صرف اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، عمل کے اثرات تو باقی رہتے ہیں، یعنی انسان کی سیرت زندہ اور باقی رہ جاتی ہے البتہ اس کا جسم فنا سے دوچار ہوتا ہے۔

شانِ عبدیت میں آپؐ کی یکتائی

اللہ تعالیٰ کے تکوینی اور تشریعی دونوں قوانین اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس عظیم الشان کائنات کے بنائے جانے کا مقصد، اسے سجا سنوار کر ایک خوبصورت چمن بنا دینے کا مقصد، اس کو تمام نعمتوں، وسائل و ذرائع اور انسانی لوازمات سے مہیا کر دینے کا مقصد انسان کو یہاں آباد کرنا تھا اور اس کی آبادکاری کا مقصد اسے اپنے مالک (اللہ واحد) کی عبادت کے لیے موقع دینا تھا، لیکن برا ہو بگڑے ہوئے مزاج والے انسانوں کہ انہوں نے اپنی طبعی ضرورت کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کو مقصد زندگی بنالیا، پھر شیطان کے دام میں پھنس کر کھیل تماشے، لہولعب، گناہ و بدی، ظلم و جور اور دنیا میں بدمعاشیاں اور شیطان کی ہم نوائیاں کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اس کے کھانے پینے اور جملہ بنیادی ضروریات کی ضمانت تو خود اس کے پیدا کرنے والے خدا نے لے رکھی ہے۔

ہر مسلمان یہ بات جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر باکمال انسان اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا تو آپ سے آپ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ سے بڑا کوئی عبادت گزار نہیں ہوا، نہ ہو سکتا ہے، آپ کی شان عبدیت ہی نرالی ہے، آپ پر عبادت و بندگی کے سارے مراتب ختم ہو گئے، آپ عبادت و اطاعت کے جس اوج ثریا پر فائز نظر آتے ہیں وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، یعنی اللہ کی شان جیسی نرالی، جیسے وہ اپنی معبودیت میں یکتا و یگانہ جس میں میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ویسے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عبادت و بندگی بھی بے نظیر، اگرچہ نفس عبادت و اطاعت میں دوسرے بھی شامل و شریک ہوتے ہیں، یہی شان بندگی ہے، یہی شان عبدیت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے کل دوائر کا احاطہ کرتی ہے، آپ کہیں بھی ہوں، کسی بھی حال میں ہوں بندگی کا لازمی خاصہ ہر جگہ جلوہ فگن ہوگا، اسی کا نام سیرت طیبہ ہے اور یہی سیرت طیبہ ہمارے لیے آئڈیل ہے، آپؐ نے فرمایا: "صلّوا کما رأیتمونی" تم ویسے ہی نماز پڑھو جیسی نماز پڑھتے تم مجھے دیکھو، آپؐ نے فرمایا: "خذوا عنی مناسککم"، تم لوگ مجھ سے اپنے حج کے طریقے سیکھ لو، آپ کو نمونہ بنا کر بھیجنے والے نے فرمایا: "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" (رسول اللہ (کی زندگی) میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے)۔

آپؐ ہی جامع الکمالات کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ہی کیوں جامع کمالات ہیں؟ اور اس کا جواب صرف یہ ہے کہ آپ تنہا جامع کمالات اس لیے ہیں کہ آپ ہی تنہا خاتم النبیین ہیں اور خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ دین و دنیا کی ساری روحانی نعمتوں، فضیلتوں اور خوبیوں کا آخری اور فائنل سرچشمہ آپ ہی ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے، سارے انبیاء اور رسولوں کے کمالات، تعلیمات آپ کے کمالات اور تعلیمات میں سمٹ آئی ہیں، رحمۃ للعالمین بھی تنہا آپ ہی ہیں، آپ نے اپنے بارے میں خود ارشاد فرمایا ہے کہ میں ایسی رحمت ہوں جو بندوں کو بطور نعمت ہدیہ کیا گیا ہوں، اس عظیم نعمت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ

File F:\Front.tif not found.

نے اس طرح فرمایا: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً"۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: "دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیے کہ ہماری نوع انسانی میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپؐ نہ آتے تو دنیا کا کیا نقشہ ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت وعظمت کے لیے کس کو پیش کرتے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر انسان کے ہیں، محمد رسول اللہ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں وہ پوری انسانیت کا سرمایۂ فخر ہیں..... آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے جس پر آپ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں؟"۔

[کاروان مدینہ: ص ۷۶]

اتمام نعمت کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لا زوال کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"۲۳؍برس میں دنیا کا رخ پلٹ گیا، دنیا کا ضمیر جاگ گیا، نیکی کا رجحان پیدا ہو گیا، اچھے برے کی تمیز ہونے لگی، خدا کی بندگی کا راستہ کھل گیا..... زمانے کی رُت بدل گئی، انسان کیا بدلا جہاں بدل گیا، زمین وآسمان بدل گئے، یہ سارا انقلاب اسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش اور تعلیم کا نتیجہ ہے، آدمؑ کی اولاد پر آدمؑ کے کسی فرزند کا اتنا احسان نہیں جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا کے انسانوں پر ہے"۔

[ایضاً، ص ۲۹-۳۰]

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبد الحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبد الباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

File F:\Front.tif not found.

نقوش جاوداں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی حکمت کا خزانہ

مولانا سید صہیب حسینی ندوی

اسلام مکمل دین، مکمل نظامِ حیات، اور بہترین دستورِ حیات ہے، اس کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع میں "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً" (آج تمہارے لیے دین کو ہم نے مکمل کردیا، اپنی نعمتیں تم پر تمام کردیں، اور تمہارے لیے بطور دین کے اسلام کو پسند کرلیا) کے الفاظ اور آیت مبارکہ کے ذریعہ کردیا گیا، لہٰذا اب ہمیں وضعی قوانین، دنیاوی احکام اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی ضرورت نہیں رہی۔

بحیثیت مسلمان کے ہمارے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ ہم دین اسلام کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھیں، صرف ایمان ہی نہ لائیں بلکہ ذہن و دماغ اور عقل سے اس کو قبول کریں، اور یہ بات اسی وقت پیدا ہوگی جب ہم قرآن وحدیث پر اچھی طرح غور کرنے والے اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہنمائی حاصل کرنے والے بنیں گے، اگر ہم نے قرآن وحدیث پر اچھی طرح غور کرلیا تو دنیا کا کوئی مسئلہ ہو چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا یا پیچیدہ سے پیچیدہ معاملہ ہو یہاں تک کہ قصاص جیسے حکم کو قرآن کریم عقلی دلائل کے ساتھ سمجھاتے ہوئے کہتا ہے: اے عقل رکھنے والو! اگر تم عقل سلیم رکھتے ہو تو تمہارے لیے قاتل سے بدلہ لینے میں زندگی کا راز پنہاں ہے، اور چین وسکون کی وہ دولت اس میں موجود ہے جو تم کو ہزار کوششوں کے بعد بھی نہیں مل سکتی ہے، اور ایک آدمی کیا بلکہ ایک عورت بھی ان حدود کے نافذ ہونے کے بعد رات کی تنہائیوں میں سفر کرتے ہوئے نہ تو ڈرے گی اور نہ ہی خوف زدہ ہوگی بلکہ بغیر کسی خوف وخطر کے ادھر ادھر آتی جاتی رہے گی، یہ وہ حقیقت ہے جس کی تاریخ گواہ ہے، جب جب اسلامی حکومتوں نے اس پر عمل کیا تو دنیا نے وہ نظارہ بھی دیکھا جس کو قرآن و حدیث زندگی، چین وسکون اور عفت و پاکدامنی و عزت سے تعبیر کرتے ہیں۔

آج ہم نے برائی کے، درندگی کے، بے حیائی کے، خود غرضی کے، نفسانیت کے، یہاں تک کہ حیوانیت کے سارے اسباب پیدا کردیے ہیں، اور سب کو آزاد کہہ کر من مانی زندگی گذارنے کے لیے چھوڑ دیا ہے، جب معاملہ بالکل ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو وقتی قانون بنا کر اور اس پر گرفت کرانے کے لیے ایسے لوگوں سے نفاذ کروانا چاہتے ہیں جو خود قابل گرفت ہیں، یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے، دنیا کس پر روئے اور کس پر ہنسے، کس کو برا کہے، اور کس کو اچھا کہے، حاکم ورعایا، قوم اور قائد، اعلیٰ طبقہ اور ادنیٰ طبقہ سب کے سب ایک دھارے میں بہہ رہے ہیں۔

ہم نے اوپر ذکر کیا تھا کہ اسلام دین کامل ہے، مکمل دستور حیات ہے، اور قیامت تک کے لیے ہے، اس دین کو منتقل کرنے اور دوسروں تک پہونچانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے رحمۃ للعالمین، بشیر ونذیر اور سراج منیر پر ڈالی تھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یَـا اَیُّھَـا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیْکَ" (اے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے، اس کو پہونچا دیجیے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، اب کوئی نبی قیامت تک نہیں آسکتا ہے، اور اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کذاب ودجال ہے، اور اسلام سے خارج ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علماء پر ڈالی ہے، اور اسی کے ساتھ ہر مسلمان کو صلاحیت، قوت وطاقت، اور معلومات کے اعتبار سے مکلّف بنادیا گیا ہے، اور اسی دعوتی حکم اور مشن کی وجہ سے بہترین امت کا لقب عطا کردیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ" (تم لوگوں کو دعوت دینے، بھلائیوں کا حکم کرنے، برائیوں سے روکنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بہترین امت بنائی گئی ہو)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ: "بلّغوا عنی ولو آیۃ" (اگر تم کو ایک آیت ہی معلوم ہو تو اس کو دوسروں تک منتقل کردو)، اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: "فلیبلغ الشاھد الغائب فربّ مبلغ أوعیٰ من سامع" جو لوگ موجود ہیں، وہ یہ باتیں ان کو پہونچادیں جو موجود نہیں ہیں، اس میں قیامت تک آنے والے لوگ

File F:\Front.tif not found.

مراد ہیں، اور پھر فرمایا: جن تک بات پہونچائی جارہی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں سے زیادہ حفاظت کرنے والے اور سمجھنے والے بن جائیں، یہ وہ پیشین گوئی تھی جو حرف بحرف پائی گئی اور تاریخ اسلام اس بھی گواہ ہے۔

مذکورہ آیات مبارکہ اور احادیث سے معلوم ہوگیا کہ ہر مومن دعوت دینے کا اپنی صلاحیتوں اور علم کے اعتبار سے پابند اور مکلّف ہے، اور جن لوگوں نے اپنا وقت علم دین حاصل کرنے میں لگا دیا ہے، وہ علماء ہوں یا دعاۃ، سب سے پہلے وہ اس کے مکلّف ہیں اور اسی علمی دولت کی وجہ سے ان کو نبی کی نیابت اور وراثت کا بھی امتیاز حاصل ہوگیا ہے، اس لیے ہر مسلمان کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے اور حسب صلاحیت وطاقت اس کو ادا کرنا چاہیے تاکہ کل آخرت میں اپنی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کوتاہی اور سستی کرنے والے نہ شمار کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دعوتی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے بنیادی اصول وضوابط بھی اپنی کتاب ہدایت میں بیان کردیے ہیں، اور اس کی تشریح لسان نبوت سے کرادی ہے، اور عملی تصویر کے لیے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین نمونہ اور صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو مثالی ایمان والا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے والا کہہ کر پیش کیا ہے۔

جب امت کے سامنے ساری چیزیں موجود ہیں، تو اب افراد امت اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ حالات، اشخاص، زمانہ اور ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے دعوت کے میدان میں قرآن وحدیث سے روشنی حاصل کرتے ہوئے آگے قدم بڑھاتے چلے جائیں، اور سب کو ایک دھارے میں بہانے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ مزاج وذوق اور فطرت اللہ تعالیٰ نے ہی بنائی ہے اور مختلف انداز کے کاموں کا حکم دیا ہے، اور سب کے لیے اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حیات صحابہؓ کو بہترین دین ودنیا کی کامیابی کا ذریعہ بنایا ہے، اللہ تعالیٰ اصول دعوت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" (حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ، بحث ومباحثہ، جدال ومناظرہ کی ضرورپیش آئے تو احسن طریقہ اختیار کرو)، اب ہمیں سب سے پہلے ان قرآنی تینوں اصولوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے تاکہ میدان عمل میں بہترین نتائج کا ذریعہ بنے۔

اصل میں حکمت تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکمت کے تین بنیادی ارکان ہیں: ۱-علم، ۲-حلم، ۳-اناۃ۔

علم سے مراد علم نافع ہے، یعنی وہ علم جو معرفت، پہچان اور معلومات کے ساتھ ساتھ عمل میں اتر جائے، مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، اپنے لیے اور دوسروں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بن جائے۔

حلم سے مراد یہ ہے کہ نفس پر ایسا قابو پایا جائے کہ ذاتیات سے بلند ہوکر دین کی خاطر نرم و گرم کا مزاج بن جائے، صحابہ کرامؓ کی صفت بیان کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے ؎

جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور صحابۂ کرام کی نرم وگرم صفت پید بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ" (محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو ان پر ایمان لائے وہ انکار کرنے والوں کے حق میں سخت ہیں، اور آپس میں رحم دل اور مہربان ہیں)۔

تیسری چیز اناۃ ہے یعنی سنجیدگی، متانت، غوروخوض اور جلد بازی سے اپنے کو بچاتے ہوئے کام کرنا، اسی وجہ سے جلد بازی کو شیطانی عمل کیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے: "العجلة من الشيطان" (جلد بازی شیطان کا عمل ہے)، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اگر شر اور برائی کا بالکل خطرہ نہ ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو تیزی اور جلدی کرنا پسندیدہ عمل ہے، اس کے دلائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

قرآن کریم نے داعی کے لیے دوسرا اصول موعظۃ حسنۃ کو بیان کیا ہے، حسن اور حسنۃ یہ وہ لفظ ہے جو قرآن وحدیث میں بہت کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اور اس کا خاص مفہوم بھی ہے، یعنی ہر وہ کام اور چیز جو رضائے الٰہی اور دین کے دائرہ میں رہتے ہوئے انجام دی جائے، لہٰذا موعظۃ حسنۃ کا مطلب یہ ہوا کہ تذکیر ونصیحت، دعوت وتبلیغ شریعت مطہرہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے اسوۂ نبویؐ اور حیات صحابہؓ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی خاطر کرنا۔

تیسرا اصول قرآنی نے جدال حسن اور دفاع حسن کہہ کر بیان کیا ہے، یعنی دعوت وتبلیغ، تذکیر ونصیحت اور سمجھانے بجھانے میں ہوسکتا ہے کہ مخاطب الجھنے لگے، دشمنی پر اتر آئے، ضد کرنے لگے، پریشان کرنے لگے، اور حد سے تجاوز کرتے

File F:\Front.tif not found.

ہوئے بدکلامی اور بدزبانی کا راستہ اختیار کرے تو قرآن کریم مسلمانوں اور داعی کو حکم دیتا ہے کہ تم بدکلامی اور بدزبانی پر نہ اترنا بلکہ تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو تھامے رہنا اور یہ دیکھتے رہنا کہ کس کس موقع پر آپؐ نے کیا کیا، کیا ہے، یہ سب سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر موجود ہے، کب نرم جواب دیا ہے، اور کب گرم، اور غصہ بھی کیا ہے تو حدود کے اندر رہتے ہوئے، قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی صفت کو عطیہ خداوندی کہتے ہوئے فرماتا ہے: "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" (اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان کے حق میں نرم بن گئے، اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے، ان کو معاف کردیں، ان کے لیے مغفرت طلب کریں، اور دین کے بارے میں ان سے مشورہ کرتے رہیں، اور جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں)۔

دینی ودعوتی میدان میں ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے دینی کام کا انداز کیا ہو، ہر شخص اپنے طریقہ کو احسن طریقہ اور وقت کی ضرورت کہہ کر سب کو مکلّف بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور دوسروں کے کام کو غلط یا غیر اہم یا پھر ختم کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، یہیں سے وہ انتشار و افتراق اور امت کو ٹولیوں میں بکھیرنے اور بانٹنے لگتا ہے، اس کے نتیجہ میں ہر نیا کام اور طریقہ اسلام کو تقویت پہونچانے یا مضبوط کرنے کے بجائے مسلمانوں کو مزید چھوٹی چھوٹی یونٹوں میں بانٹنے کا ذریعہ بن رہا ہے، اسی کے نتیجہ میں باطل دندنا رہا ہے، من مانی کررہا ہے، جس پر جس طرح چاہتا ہے حملہ بول دیتا ہے، اپنی ہزار دشمنیوں کے باوجود اتحاد کا مظاہرہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، ہر طرف سے اپنی گرفت مضبوط کرکے جب اور جہاں چاہے اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنادیتا ہے، اور ہم سب تماشائی بنے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں، مسلمانوں میں جو گمراہ فرقے ہیں، ان کا کیا رونا! ہم جو اہل حق کہلاتے ہیں، وہ ایسے حالات میں بھی ایک دوسرے کے معاون نہیں بن رہے ہیں، اسلام کی خاطر اور مسلمان کی خاطر اپنے کو جھکانے پر تیار نہیں، اس کی مصیبت کو اپنی مصیبت نہیں سمجھ رہے ہیں، اور بعض موقعوں پر خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو ہماری فکر اور بات نہیں مانی، اسی لیے مصیبت آئی ہے، اور آنا بھی چاہیے، یہ سوچنے کا طریقہ بالکل دینی، ایمانی اور نبوی نہیں ہے، بلکہ اندرونی حسد وجلن اور خودغرضی کا غماز ہے۔

لہٰذا ہم کو چاہیے کہ ہر دینی کام میں "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" کے حکم کی وجہ سے ساتھ دینے والے بنیں، اور ہر مسلمان کے غم میں "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ" کی وجہ سے شریک ہوکر اپنی طاقت وقوت اور صلاحیت کی بنیاد پر اس کی مدد کرنے اور سہارا بننے والے ہوجائیں، یہ وہ خاص صفت تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو ہمیں اس طرح بھی نظر آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ آکر ایک ہی انداز کے سوالات کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ایک ہی جواب نہیں دیتے تھے بلکہ حالات، اشخاص اور ضرورت کے اعتبار سے جوابات دیتے تھے، مثلاً "أی الأعمال أفضل" (سب سے بہتر عمل کون سا ہے)، اس طرح کے سوالات مختلف موقعوں پر صحابہ کرامؓ نے کیے، کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وقت پر نماز کی ادائیگی کرنا، اور کسی سے فرمایا: والدین کی اطاعت کرنا، اور کسی سے فرمایا: جہاد کرنا، اور کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غصہ نہ کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا انداز، اگر ہم اس طریقہ کو اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کریں گے اور افراط وتفریط سے اجتناب کریں گے تو ہم جوڑ کا ذریعہ بنیں گے، حالات کے رمز شناس ہوکر مشورہ دینے والے ہوں گے، کمزوریوں کا صحیح حل پیش کریں گے، مزاج ومذاق اور فطری صلاحیتوں کے لیے مہمیز کا کام کریں گے، اور دین کے مختلف شعبوں میں تعاون کرنے والے ہوجائیں گے، اور اگر کوئی شعبہ کمزور ہوگا تو اس کو قائم کرکے اس کے مناسب افراد کو اس میں فٹ کرکے اس کو زندہ کریں گے، یہ اگر ہمارے کام کا انداز اور تعاون والا مزاج بن جائے تو آپس کی کھینچا تانی، ٹکراؤ، بات بات پر تنقید ونقد، غیبتیں، اور بدگمانیاں ختم ہوجائیں گی، اور امت کا شیرازہ بکھرنے کے بجائے ایک ہوجائے گا، اور مدد کی وہ صورتیں نظر آئیں گی جو قرون اولیٰ اور اتحاد کے زمانہ میں نظر آتی رہی ہیں، اور اگر ہم نے شورائی نظام کو ختم کرکے رکھ دیا حق مارنے کا مزاج بنالیا، صلاحیتوں سے کھلواڑ کرتے رہے، تو دیر سویر وہ

File F:\Front.tif not found.

حق بزباں قرآن ہوکر رہے گا، بلکہ اس وقت نگاہوں کے سامنے ہے، ارشاد ربانی ہے: "وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا" (آپس میں اختلافات نہ کرو، ورنہ کمزور پڑ جاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور طاقت ختم ہوجائے گی، اور ڈٹ کر، استقامت کے ساتھ دین کے تقاضوں پر جمے رہو)، اسی کی تشریح کرتے ہوئے ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''اگر تم آپس میں اختلافات کا شکار ہوگے تو تم پر دشمن مسلط کردیے جائیں گے، جو تمہارے گوشت کو نوچ نوچ کر اس طرح کھائیں گے اور تم پر اس طرح ٹوٹیں گے جس طرح چیل وگدھ مردار پر جھپٹ پڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عمومی برائی سے بچائے، اور اپنی پکڑ سے محفوظ رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمہ وقت ساتھیوں میں ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ نرم وگرم اور مختلف طبیعتوں اور مزاج کے صحابہ کرامؓ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کا خیال رکھتے ہوئے ان سے کام لیتے تھے، اور ذمہ داریاں ڈالتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ذوق وطبیعت کا ازالہ نہیں کرتے تھے بلکہ امالہ کردیا کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں دین کا کام پورے ذوق وشوق اور جذبہ کے ساتھ ہوتا تھا، مجبوراً لوگ نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے ہر صحابیؓ اپنے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب سے قریب تر سمجھتا تھا، کامیابی کے لیے یہ بھی ایک اہم صفت ہے جو داعی اور خاص طور پر قائد ورہبر کے اندر ہونی چاہیے۔

ان ساری تفصیلات کی روشنی میں ہمیں قرآن کریم کے حکم، حکمت، موعظہ حسنہ، جدال حسن اور دفاع حسن کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترسٹھ سالہ زندگی کے ادوار میں خواہ نبوت سے پہلے چالیس سالہ دور ہو، یا نبوت کے بعد تیرہ سالہ دور مکی زندگی کا، اور دس سالہ دور مدنی زندگی کا، اس طرح پورے ترسٹھ سالہ دور کو اسوہ ونمونہ بنا کر اپنی زندگی کو اسی انداز سے ڈھالنا پڑے گا جب ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی، اور ارشاد ربانی ہے: "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ" (آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو ہماری پیروی کرو، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا)۔

آج لوگ حالات کا رونا رو رہے ہیں، ایسے حالات آتے رہے ہیں، اور قرب قیامت مزید آئیں گے، ہمیں اس سے مایوس نہیں ہونا ہے، خوف زدہ نہیں رہنا ہے، ہمتیں نہیں ہارنی ہیں، پیچھے نہیں ہٹنا ہے، ہمت شکنی نہیں کرنی ہے، باطل کا ہوّا نہیں بٹھانا ہے، دین میں تحریفات معنوی اور تاویلات فاسدہ کا چور دروازہ نہیں کھولنا ہے، بلکہ اور زیادہ مضبوطی اور ہمت کے ساتھ قرآن وحدیث کو تھام کر اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جانا ہے، موجودہ حالات سے بدتر حالات صحابہ کرامؓ کے زمانہ اور بعد کے زمانہ میں بھی آچکے ہیں، یہ حالات ان کے ایمان ویقین میں اضافہ اور ثابت قدمی کا ذریعہ بنتے تھے، اور وہ کہہ پڑتے تھے: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ" (اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے، اور وہ بہترین مددگار اور کارساز ہے)۔

اوپر قرآن نے دعوت کے لیے حکمت، موعظہ حسنہ، جدال حسن اور دفاع حسن کو بتلایا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منکر کو مٹانے کے لیے ایک ضابطہ ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان فرمایا: "من رأى منكم منكراً فليغيّره بيده، فان لم يستطع فبلسانه، فان لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (تم میں جو بھی منکر کو دیکھے، وہ اپنی طاقت وقوت سے روک دے، اگر استطاعت نہ ہو تو زبان سے برائی کا ظہار کردے، اور اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)، اسی طرح ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" (افضل ترین جہاد یہ ہے کہ ظالم وجابر بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینا)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت صحابہؓ ہمارے لیے حالات حاضرہ کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور قرآن کریم کو عملی طور پر سمجھنے کا سب سے بڑا اور اصل سرمایہ ہے، ہم اپنے عملی میدان میں اس کو سامنے رکھیں، باہم اتحاد واتفاق کے ساتھ باطل کا مقابلہ کریں، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کام کریں، ہر خیر کے معاون بن جائیں تو ان شاء اللہ قرآن وحدیث کا وعدہ پورا ہوگا، اور کامیابی ہمارے قدم چومے گی، اللہ تعالیٰ اتفاق واتحاد کے ساتھ دینی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور دینی کاموں میں رکاوٹ ڈالنے سے حفاظت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

نور ھدایت

آخری قسط

سیرتِ محمدیؐ - انسانیت کے لیے اعلیٰ نمونہ

مولانا محمد مجاہد ندوی

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر انسان کے لیے نمونہ بن سکتی ہے، یعنی انسانوں کے ہر طبقہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں رہنمائی موجود ہے، انسان حاکم ہو یا محکوم، غریب ہو یا دولت مند، استاد ہو یا تاجر، باپ ہو یا شوہر، عابد ہو یا زاہد غرض انسان کوئی بھی ہو، کسی بھی حالت میں ہو، دنیا میں کہیں بھی رہتا ہو، اس کی زندگی کے لیے کامل اور مکمل رہنمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں موجود ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''زاد المعاد'' میں سب سے زیادہ مفصل انداز میں آپ کی زندگی کے حالات و واقعات کو جمع کیا ہے، آپ صرف اس کتاب کی فہرست پر ایک نظر ڈال لیں تو اندازہ ہوجائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر پہلو میں کس طرح رہنمائی فراہم کی ہے۔

آپ کے کھانے، پینے اور سونے کا طریقہ، آپ کی گھریلو زندگی، آپ کے ازدواجی تعلقات، خرید و فروخت کا طریقہ، بیماروں کی عیادت میں آپ کا طریقہ، خط و کتابت کا طریقہ، سفر و حضر، شادی بیاہ، نماز روزہ، حج و عمرہ، دعا و مناجات، غسل اور وضو کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپ کی صلح و جنگ وغیرہ تمام تفصیلات کو محفوظ کرلیا گیا۔

پھر ان میں سے بھی ایک ایک طریقہ ایک مستقل عنوان ہے اور اس کے بارے میں اتنی مفصل معلومات موجود ہیں کہ انسانی دماغ دنگ رہ جاتا ہے، چنانچہ صرف آپ کے نماز پڑھنے کے طریقہ کی تفصیلات کو آپ حضرات ملاحظہ فرمالیں تو اندازہ ہوجائے گا کہ فقہائے کرام نے کتنی باریکی سے اس کے ایک ایک حصہ کو بیان کیا ہیں، نماز کے اوقات، اس کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کی تفصیلات سیکڑوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔

موجودہ دور میں انسانی زندگی کو دو بڑے گوشوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک انسان کی مذہبی اور انفرادی زندگی دوسرے سیکولر اور اجتماعی زندگی۔ یعنی انسان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق کس طرح سے ہو؟ وہ اپنے رب کی عبادت کس طرح کرے؟ اور اپنے مذہبی رسومات کو کس طرح ادا کرے؟ وغیرہ یہ انسان کا انفرادی پہلو ہے، اسی طرح دوسری طرف انسانی زندگی کا اجتماعی معاملہ ہے کہ حکومت و سلطنت کا نظام کس طرح چلایا جائے؟ ملک کا سیاسی اور معاشی نظام کیا ہو؟ عدلیہ کا نظام کیا ہو؟ وغیرہ، اب اگر اس لحاظ سے ہم دیکھیں تو دنیا میں جتنی بھی عظیم اور عبقری شخصیات گزری ہیں سب نے زندگی کے کسی ایک پہلو میں ہی انسانوں کو رہنمائی دی ہیں، جیسے حضرت عیسی علیہ السلام اور گوتم بدھ وغیرہ نے مذہب اور روحانیت کے میدان میں لوگوں کے لیے رہنمائی دی ہیں، لیکن سیاست کے معاملات کیا ہوں؟ ریاست کا نظام کیسے چلایا جائے؟ اس میں کوئی رہنمائی نہیں ہے، دوسری طرف سکندر اعظم، جسٹینین اور بہت سے بڑے بڑے حکمراں گزرے ہیں، انہوں نے سیکولر اور سیاسی میدان میں تو لوگوں کو رہنمائی دی لیکن مذہبی معاملات میں کوئی رہنمائی ان کی زندگی سے نہیں ملتی۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انسانی زندگی کے دونوں گوشوں پر مکمل رہنمائی موجود ہے۔

امریکی اسکالر ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے ۱۹۸۰ء میں ایک کتاب لکھی ''The hundred''، اس کتاب میں اس نے پوری انسانی تاریخ میں سے ایسی سو عظیم شخصیتوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے دنیا میں غیر معمولی کردار ادا کیا، پھر ان سو شخصیات میں بھی اس نے درجہ بندی کی ہے کہ ان میں سے کون سی شخصیت سب سے زیادہ انسانی تاریخ پر اثر انداز ہوئی اور اس کے دھارے کو موڑنے کا کام کیا، اس کتاب میں اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے نمبر پر رکھا ہے، اب یہاں اس نے خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ میں ایک عیسائی ہوں اور عیسائی ہوتے ہوئے بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب میں پہلے نمبر پر رکھ رہا ہوں، اس کا جواب وہ خود یہ دیتا ہے کہ:

This is because he is the only person supremely succesful in both the religous and the secular fields.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں واحد ایسے رہنما ہیں جنہوں نے دین و دنیا یا مذہب و سیاست دونوں میدانوں میں اپنے پیروکاروں کے لیے رہنمائی اور گائڈنس فراہم کی ہے، اور یہ ایسی منفرد چیز ہے جو دنیا میں کسی اور شخصیت کو حاصل نہیں ہے۔

حضور پاک علیہ السلام کی صفت جامعیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید نے سابقہ انبیا علیہم السلام کی جو خصوصیات بیان کی ہے وہ تمام خصوصیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہیں، جیسے کسی نبی میں صبر کی کیفیت نمایاں ہے، کسی میں کلمہ حق اور جہاد کی، کسی میں زہد و تقوی

File F:\Front.tif not found.

نمایاں ہے، کسی میں خاکساری اور عفو ودرگزر کی صفت نمایاں ہے، کسی میں بادشاہت اور اس کی شان وشوکت نمایاں ہے، کسی میں بین الاقوامیت نمایاں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ساری صفات یکجا موجود ہیں، عاجزی اور خاکساری بھی ہے، عفوودرگزر بھی ہے، استغنا اور زہد بھی ہے، عالم گیریت بھی ہے، صبر، جہاد اور کلمہ حق بھی ہے غرض وہ ساری صفات جو سابقہ انبیا علیہم السلام میں انفرادی طور پر پائی جاتی ہیں وہ رسول اللہ کی ذات گرامی میں یکجا موجود ہیں، یعنی حضرت نوح اور ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ، سلیمان اور داؤد، ایوب اور یونس، یوسف اور یعقوب علیہم الصلوۃ والسلام سب کی زندگیاں اور خصوصیات سمٹ کر آپ کی سیرت میں سما گئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو ہدایات اور تعلیمات انسانوں کو ملی ہیں وہ جامع اور مکمل ہیں، آپ علیہ السلام کی زندگی Totality of human guidence ہمارے سامنے پیش کرتی ہے، انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں کے لیے اس میں رہنمائی موجود ہے، جامعیت کی یہ صفت کسی بھی مذہبی شخصیت میں نہیں پائی جاتی۔

ایک عالم صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میرے ایک عیسائی دوست جو عیسائی مذہب کے بڑے عالم بھی ہیں، مجھ سے ملنے کے لیے آئے، گفتگو کے دوران کہنے لگے "تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہو تو ان کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ تو میں نے کہا ٹھیک ہے میں حضرت عیسی علیہ السلام کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنانے کو تیار ہوں اور اپنی ساری زندگی ان کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق گزارنے کو بھی تیار ہوں، لیکن پہلے آپ مجھے بتائیں کے وہ زندگی کیسے گزارتے تھے؟ تاکہ میں بھی ان کے مطابق زندگی گزار سکوں، ذرا آپ بتادیں حضرت عیسی مسیح کھانا کس طرح کھاتے تھے؟ وہ کس طرح کا لباس پہنتے تھے؟ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ان کا رہن سہن کیسا تھا؟ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ تھا؟ وہ اپنے رب کی عبادت کس طرح کرتے تھے؟ وغیرہ، آپ مجھے یہ تمام تفصیلات بتادیں تو میں ان کے مطابق اپنی زندگی بسر کروں گا۔ عالم صاحب کہتے ہیں کہ میری یہ بات سن کر وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے اور پھر کہنے لگے کہ حضرت عیسی مسیح کی زندگی کی ان تفصیلات سے تو ہم بھی واقف نہیں ہیں، تو میں نے کہا پھر میں کس طرح ان کی پیروی کرسکتا ہوں؟ اور عیسی بن مریم کو کس طرح سارے انسانوں کے لیے اسوہ اور رول ماڈل بنایا جاسکتا ہے؟ جبکہ ان کی زندگی کے حالات سے ہم واقف ہی نہیں ہیں، اس کے بعد انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا اور اجازت لے کر رخصت ہوگئے۔

رسول اللہ کی صفت جامعیت کے مختلف پہلو تفصیل سے آپ کے سامنے آئے، جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہی جامعیت پائی جاتی ہے اور آپ کی زندگی میں سارے انسانوں کے لیے مکمل رہنمائی موجود ہے۔

رسول اللہ کی عملیت

اب آیئے ہم تیسری شرط کا جائزہ لیں! کسی بھی شخصیت کو سارے انسانوں کا رول ماڈل بنانے کے لیے تیسری ضروری شرط عملیت ہے، عملیت کا مطلب یہ ہے کسی بھی مذہب کا بانی یا شارع جن تعلیمات کو پیش کررہا ہے پہلے وہ خود بھی اس پر عمل کرکے دکھائے اور یہ ثابت کرے کہ اس کی تعلیم محض خیالی نظریہ نہیں بلکہ وہ پوری طرح قابل عمل (Practical) ہے، ورنہ میٹھی میٹھی نصیحتیں، اچھی سے اچھی تعلیم اور عمدہ سے عمدہ نظریہ تو ہر شخص پیش کرسکتا ہے مگر جو چیز ہر وقت پیش نہیں کی جاسکتی وہ ان تعلیمات پر عمل ہے، گویا انسانی سیرت کے کامل ہونے کی دلیل میٹھی میٹھی باتیں اور عمدہ نظریات نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔

اب اگر اس معیار پر دیگر مذاہب کے بانیوں کی زندگی کو پرکھا جائے تو وہ تمام تر عمل سے خالی نظر آتی ہے، موجودہ مذاہب کے بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحات بڑھ جایئے، دلچسپ نظریات (Theories) ملیں گے، میٹھی میٹھی باتیں بتائیں گے، مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ کام اور عمل ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی معیار اس فیصلہ کے لیے کافی ہے کہ اگر سارے انسانوں کے لیے اسوہ اور رول ماڈل کسی کو بنایا جاسکتا ہے تو وہ آپ کی ذات گرامی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروکاروں (Followers) کو جو نصیحتیں فرمائیں، ان پر سب سے پہلے خود عمل کرکے دکھایا، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقہ وخیرات، ایثار وقربانی، صبر وشکر، حسن عمل اور اخلاق کی جتنی بھی باتیں آپ نے لوگوں کو تلقین فرمائیں ان کے لیے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسّم ہوکر آپ کی زندگی میں نظر آتا ہے، کسی صحابی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور زندگی کے معمولات کیسے تھے؟ یعنی آپ کی پریکٹکل لائف کیسی تھی؟ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا "کَانَ خُلقُہُ القُرآن" آپ کے اخلاق ہمہ تن قرآن تھے، یعنی قرآن مجید الفاظ وعبارت ہے اور آپ کی زندگی اس کی عملی تفسیر، یا یوں کہہ لیں آپ کی

File F:\Front.tif not found.

سیرت Quran in action or Quran in practice ہے۔

آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، لیکن آپ نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس پر عمل کیا، دن رات میں شاید ہی ایسا کوئی لمحہ ہوتا ہوگا کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد زبان مبارک پر جاری رہتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال یہ تھا کہ دوسروں کو تو آپ نے پانچ نمازوں کا حکم دیا لیکن خود آپ آٹھ نمازیں پڑھتے تھے۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کے علاوہ تہجد، اشراق اور چاشت کی نمازوں کا اہتمام آپ کا معمول تھا، دیگر نوافل اوّابین وغیرہ اس کے علاوہ ہے۔ اور پھر آپ کی نماز بھی ایسی طویل ہوتی تھی کہ کھڑے کھڑے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا۔

آپ نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا، عام لوگوں کو سال میں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال یہ تھا کہ سال کا کوئی مہینہ کوئی ہفتہ روزوں سے کھالی نہیں جاتا تھا، شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے، ایام بیض (ہر مہینہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کے اکثر روزے رکھتے۔ ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا۔

آپ نے لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیا، لیکن پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، آپ کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا، جو بھی چیز آپ کے پاس ہوتی فوراً لوگوں میں تقسیم فرمادیتے، اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتے، غزوات اور فتوحات کی وجہ سے بے شمار مال واسباب مدینہ آتا تھا، مگر وہ دوسروں کے لیے تھا آپ اس میں سے کچھ بھی نہ لیتے، ایک مرتبہ بحرین سے خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا، فرمایا کہ مسجد کے صحن میں ڈال دیا جائے، صبح کی نماز کے لیے آپ تشریف لائے تو آپ نے خزانے کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کردیا، جب سب ختم ہوگیا تو دامن جھاڑ کر کھڑے ہوگئے اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے کچھ بھی نہ لیا، آپ کے دروازہ سے کبھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں گیا، یہاں تک کے ایک مرتبہ ایک سائل آیا آپ کے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا تو اپنا کرتا اتار کر اس کو دے دیا، اور پھر جب نماز کا وقت آیا تو دوسرے سے کپڑا ادھار لینا پڑا۔

آپ نے لوگوں کو زہد و قناعت کی تعلیم دی، لیکن اس پر آپ کا خود کیا عمل تھا؟ عرب کے گوشہ گوشہ سے مال و دولت مال غنیمت کے طور پر آرہے ہیں لیکن آپ کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہورہی ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”آدم کے بیٹے کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کو ایک گھر، تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی، اور یہ محض آپ کے الفاظ نہ تھے بلکہ یہی آپ کی زندگی کا عملی نقشہ تھا، ایک مرتبہ چند صحابی آپ سے ملنے آئے تو دیکھا کہ آپ کے بدن میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم لوگ آپ کے لیے ایک نرم گدّا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا، مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ میرا دنیا سے بس ایسا ہی تعلق ہے جیسا اس سوار کا جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لیے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے، آپ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر آپ کو کبھی دو وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا، یہ تھی زہد و قناعت کے باب میں آپ کی زندگی کی عملی مثال۔

آپ نے لوگوں کو دشمنوں کو معاف کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے کا حکم دیا، لیکن آپ نے خود اس پر سو فیصد عمل کر کے دکھایا، کفار مکہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کیسی کیسی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں، ہم سب جانتے ہیں، لیکن جب مکہ فتح ہوا اور آپ کے دشمن آپ کے سامنے شکست خوردہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکیں اور وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کو سخت تکلیفیں پہنچائی تھی۔ آج یہ سب مجرم، بے بس اور بے یار و مددگار آپ کے سامنے کھڑے تھے، آپ کے پیچھے آپ کے جاں نثار صحابہ تلوار لیے آپ کے ایک اشارے کے منتظر تھے، آپ قریش سے پوچھتے ہیں بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملتا ہے محمد! تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے، ارشاد ہوتا ہے، آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا: ”لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ“ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں: ”اِذْهَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ“ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا، یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم جو صرف اچھی اچھی باتوں اور عمدہ عمدہ نصیحتوں تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا میں عمل بن کر ظاہر ہوئی ہے۔

پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مذہبی شخصیات کے درمیان یہی وہ فرق ہے جس کی بنا پر دیگر

File F:\Front.tif not found.

مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے پیغمبروں کے محض میٹھے میٹھے بول کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں بلکہ اس کی زندگی کی طرف بلاتا ہے اور اس کو نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہے، یہی مطلب ہے اللہ رب العزت کے اس ارشاد کا: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسوَةٌ حَسَنَةٌ" (اے لوگو! تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)۔

منطقی دلائل اور تاریخی ثبوت کی روشنی میں تفصیل سے اس بات کو آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ سارے انسانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ بننے کے لیے جو ضروری شرائط ہیں وہ صرف رسول اللہ کی سیرت میں پائی جاتی ہے، ہم تمام مذہبی شخصیات کا ادب و احترام کرتے ہیں اور ہرگز یہ دعوی نہیں کرتے کہ ان کی زندگیاں اُن کے عہد اور زمانہ میں اِن صفات اور خصوصیات سے خالی تھیں، ہمارا محض یہ کہنا ہے کہ آج کی تاریخ میں دیگر مذہبی شخصیات کی جو زندگیاں موجود ہیں اور لوگوں تک پہونچی ہیں وہ ان شرائط پر پورا نہیں اترتیں جو تمام انسانوں کے لیے نمونہ اور اسوہ بنانے کے لیے ضروری ہیں، یہ شرائط صرف پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں پائی جاتی ہیں، لہٰذا اب دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے اگر کوئی مکمل نمونہ اور رول ماڈل ہے تو وہ حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات گرامی ہے۔

خلاصہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں، اب بحیثیت امت مسلمہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے ہم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں، آپ کی سیرت کو اپنے لیے عملی نمونہ بنائیں اور اپنی روزمرہ کی زندگی کو آپ کی سنتوں اور طریقوں سے آراستہ کریں۔ ساتھ ہی غیروں کے کلچر و ثقافت، ان کے رسم و رواج اور طریقوں سے مکمل بیزاری کا اظہار کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج مسلمانوں کی جو صورت حال ہے اور ساری امت مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے، اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق کمزور پڑ گیا اور ہم آپ کی تعلیمات سے دور ہوگئے، اگر ہم دنیا میں عزت و سربلندی چاہتے ہیں تو ہمیں دوبارہ اسی ذات گرامی کی طرف لوٹنا ہوگا، اس لیے کہ آپ ہی کی ذات ہمارا فخر اور شرف ہے، ہمارا اصل غرور ہے اور آپ ہی کی ذات سے ہمارا وجود ہے۔

آج سے چند دہائی قبل عالم عرب میں ایک جماعت وجود میں آئی تھی اور خاص طور پر مصر میں اس کے اثرات سب سے نمایاں تھے اس جماعت کا منشور یہ تھا کہ اسلام تو چودہ سو سال ہوا آیا ہے، ہم اس سے بھی پیچھے کی تہذیب کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں، اور وہ عربیت ہے، اور اس میں ہمارے پاس فخر کرنے کی بڑی بڑی چیزیں ہیں، جیسے ہمارے عظیم حکمراں فرعون، ان کے آثار دیکھیے، یہ اہرام مصر، انہوں نے دنیا کی کیا عظیم الشان تعمیرات چھوڑی ہے، وہ ہمارے اجداد تھے اور انہوں نے یہ تعمیرات تیار کی تھی، اور یہ مصر کی فراعنہ تہذیب جو دنیا کی عظیم الشان تہذیب تھی، ہمیں اس پر فخر کرنا چاہیے، اور اس بنیاد پر عرب قومیت کو ہوا دی گئیں، اور بڑے زور و شور سے یہ کہا جانے لگا: "نَحنُ مِلَّةٌ عَرَبِيَّةٌ" (ہم عربی ملت ہیں)۔

اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جب عالم عرب کا دورہ کیا اور وہاں عربوں کے یہ نعرے سنے کہ ہم ملت اسلامی نہیں بلکہ ملت عربی ہے، تو حضرت مولاناؒ نے وہاں عربی میں بیانات کیے، اور عربوں سے دوٹوک انداز میں کہا، تم عربوں کو اگر کوئی فخر حاصل ہے، سب سے بڑا شرف حاصل ہے تو وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے، اگر تمہیں فخر کرنا ہے تو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کیجیے اور ساتھ ہی عربوں کے سامنے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

مولانا نے عربوں سے یہ بھی کہا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ فراعنہ تہذیب، یہ اہرام مصر اور یہ دریائے نیل تمہارے لیے زیادہ فخر کی چیزیں ہیں اور تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ان چیزوں پر فخر کرنا طے کر چکے ہو، تو یاد رکھو کے عجم میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے موجود ہیں، تم ہم عجمیوں کو ہمارا رسول لوٹا دو، ہم ان پر فخر کریں گے، ہم ان کی پیروں کی جوتیوں کو اپنا سر کا تاج بنا کر رکھیں گے، ہم ان کی سنت اور ان کے طریقوں کو اپنے سینے سے لگا کر رکھیں گے۔

تو ہمارے لیے اصل فخر اور شرف کی بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیغمبر اور رسول ہیں اور انہیں کی طرف لوٹنے میں ہماری کامیابی ہے، یاد رکھیے امت مسلمہ کی بقا اسی نمونہ کی پیروی میں ہے، مسلمان اگر اس نمونہ کی پیروی نہیں کریں گے تو ان کا ملی وجود باقی نہیں رہے گا، مسلمانوں کو اگر موجودہ دور میں عزت و آبرو کے ساتھ بطور مسلمان زندہ رہنا ہے تو ان کو اس نمونہ کی پیروی کرنی ہوگی۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اسوہ اور نمونہ بنانے کے لیے آپ کی زندگی کا مطالعہ بھی ضروری ہے، علامہ ابن قیم نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ چونکہ آپ کی اتباع ہر مسلمان پر ضروری ہے، لہٰذا آپؐ کی ذات کو عملی نمونہ بنانے کے لیے آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

فکروعمل

دنیا کی حقیقت اور انسانی خواہشات

محمد امین حسنی ندوی

قرآن مجید میں دنیا کی حقیقت کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

"إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ". [یونس ۲۴] (دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ہم نے اوپر سے پانی برسایا تو اس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہوگیا جس کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین اپنی سج دھج دکھاتی ہے اور رس لہلہا اٹھتی ہے اور اس کے مالک سمجھ لیتے ہیں کہ اب وہ ان کے ہاتھوں میں ہے تو رات میں یا دن میں ہمارا فیصلہ آپہنچتا ہے بس ہم اس کو بھوسا بنا کر رکھ دیتے ہیں جیسے کل وہ کچھ تھی ہی نہیں اس طرح ہم آیتیں ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں)۔

"اِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ". [الحدید:۲۰] (جان رکھو کہ دنیا کی زندگی کھیل کود، تفریح، تماشہ، زیب وزینت، اور تمہارے درمیان فخر و مباہات اور مال واولاد کی کثرت کی ریس ہے، ایسے ہی جیسے اچھی بارش کے پودے کسانوں کو اچھے لگتے ہیں، پھر کھیتی پکتی ہے، پھر زرد پڑ جاتی ہے، پھر کچرا بن جاتی ہے، اور آخرت میں (ایسے دنیا داروں کو) سخت سزا ملتی ہے (دوسری طرف دینداروں اور تقوی شعاروں کو) مغفرت اور اللہ کی خوشنودی سے نوازا جاتا ہے، اور دنیا کی زندگی (جس میں فکر آخرت نہ ہو) محض دھوکہ کا سودا ہے)۔

"إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ". [غافر:۳۹] (یہ دنیا کی زندگی تو بس ایک عارضی سامان ہے اور آخرت ہی اصل ٹھکانے کا گھر ہے)۔

"وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" [العنکبوت:۶۴] (اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشہ ہے آخرت کی زندگی اصل زندگی ہے کاش وہ اس حقیقت کو جانتے)۔

یہ ہے حقیقت اس زندگی کی، جس کے بارے میں ہم یہ تک نہیں جانتے کہ وہ کہاں گذرے گی، کیسے گذرے گی، کب تک رہے گی، کتنا ہنسائے گی، کتنا رلائے گی، کتنا غم دے گی، کتنی خوشیاں دے گی، ختم ہوگی تو کب ختم ہوگی، اور کہاں ختم ہوگی، خاتمہ اس کا دوستوں کے ساتھ قہقہہ لگاتے ہوئے ہوگا یا بستر پر سوتے ہوئے، بازار میں سامان خریدتے ہوئے ہوگا یا ہسپتال میں کراہتے ہوئے۔

ہم اپنی خواہشات میں کچھ اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ ہم کو یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ ہم صحیح کررہے ہیں یا غلط، ہم غلط کرتے ہیں، جانتے بوجھتے کرتے ہیں، اپنے دل کو تو مطمئن نہیں کرپاتے ہاں دوسروں کو مطمئن کرنے کے لیے بے جا تاویلات کا سہارا ضرور لیتے ہیں۔

زندگی اور موت کا عجیب معاملہ ہے دونوں ایک دوسرے کی ضد لیکن دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر، زندگی ہے تو موت آئے گی، موت کو آنا ہے تو زندگی ملے گی، جب یہ طے ہے تو موت سے اتنی غفلت کیوں اور زندگی پر ساری توجہ کیوں؟ عقلمند ہے وہ شخص جس کو زندگی ملی تو اس نے موت کو یاد رکھا اور جس نے موت کو یاد رکھا وہی زندگی میں کامیاب رہا: "الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله الأماني". [ترمذی] (عقلمند انسان وہ ہے جس نے اپنے نفس پر قابو پالیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے محنت کی اور بیوقوف انسان وہ ہے جو اپنے نفس پر چلا اور اس کی خواہشات کی فکر میں رہا اور اللہ تعالیٰ پر تمنائیں باندھیں)۔

انسان کو اگر مرنے پر اختیار دیا جائے تو شاید ہی کوئی ایسا ہو جو موت کو قبول کرنے پر تیار ہو، انسان بستر مرگ پر ہے، تکلیفوں سے تڑپ رہا

File F:\Front.tif not found.

ہے، جسم ہے کہ جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے، کراہتے کراہتے بے دم ہو رہا ہے، لیکن اگر موت کا فرشتہ اس سے پوچھے کہ کیا اس دنیا سے رخصت ہونے کی خواہش ہے تو وہ یہی کہے گا! نہیں، ہرگز نہیں!

انسان بچپن گذارتا ہے کھیل کود میں، جوانی کمانے میں، بڑھاپا گھر تاکنے میں، پیسے کی ہوس ہے کہ کم نہیں ہوتی، گھر بناتا ہے تو بے گھر لوگوں کو سوچتا نہیں، گھر کیا بناتا ہے، محل بناتا ہے غریبوں کی جھونپڑے اجاڑ کر اور ان کے حصہ کی زمین ناجائز طریقہ سے دبا کر، وہ بارات لے کر نکلتا ہے پیسوں کو دھوئیں کی شکل میں اڑاتا ہوا، دوسروں کے جذبات کو اپنی انا کے ہاتھی سے کچلتا ہوا، راستہ میں کتنے ایسے گھر پڑتے ہیں جہاں جوان بیٹیاں اپنی بارات کا انتظار میں کب سے بیٹھی ہیں، ان کے بوڑھے ماں باپ دھوم دھام سے نکلتی باراتوں کے اس شور وغل میں اپنی بیٹیوں کے چہروں پر مایوسی کا سایہ دیکھ کر آہستہ آہستہ قبرستان کی طرف اپنے قدم بڑھا دیتے ہیں۔

بارات کے ذریعہ اپنی شان دکھانے والا، اور جہیز کی بھیک مانگ کر اپنا محل بھرنے والا کبھی یہ نہیں سوچتا کہ اس موقع پر کسی کی بیٹی کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو کا ایک قطرہ اور اس کے بوڑھے ماں باپ کے دل سے نکلی ایک کراہ اس کی بارات کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس شخص سے زیادہ کسی پر تعجب نہیں ہوتا جو دنیا کی محبت گناہ کبیرہ نہیں سمجھتا، دنیا کی محبت کبیرہ گناہ ہے، کیوں کہ وہ سیکڑوں نہیں ہزاروں گناہوں کا راستہ دکھاتی ہے اور صرف دکھاتی نہیں بلکہ اس راستہ پر چلاتی ہے اور چلاتی ہی نہیں دوڑاتی ہے۔

انسان کو صرف اپنی خواہشات کی فکر ہوتی ہے، دنیاوی لذتیں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں، اس کا دل ہر وقت یہ چاہتا ہے کہ کاش موت ٹل جائے، کاش موت سے چھٹکارا مل جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ زندگی ایک وقت مقررہ کے لیے دی ہے، اور یہ عقل کے موافق بات ہے کیوں کہ اگر یہ موت نہ ہوتی تو انسان دنیا میں فرعون بن جاتا، یہ موت اس کو انسان بناتی ہے، اور دنیا میں ایک یہی موت ہے جو ہر کسی کو لپکتی ہے یہ کسی کو نہیں چھوڑتی ہے اس کی کسی سے دوستی نہیں اس کا کسی سے تعلق نہیں کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی یہ اپنا راستہ خود بناتی ہے اپنا طریقہ خود منتخب کرتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو فرعون کو موت نہ آتی، ہامان نہ مرتا، شداد اپنی جنت کے مزوں میں ہوتا، یہ موت سب کو پکڑتی ہے البتہ کسی کی موت عزت سے ہوتی ہے اور کسی کی ذلت سے۔

دیکھئے قرآن کریم موت کی اس حقیقت کو کیسے یہاں بیان کرتا ہے:

"أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ". [النساء:۷۸] (تم جہاں بھی رہو، موت سے چھٹکارا نہیں، چاہے مضبوط قلعہ میں رہو)۔

"قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ. [جمعہ: ۸] (ان سے کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو آکر رہنی ہے، اور پھر تمہیں 'عالم الغیب والشھادۃ' ہر ظاہر و باطن کے جاننے والے رب کے حضور حاضر کیا جائے گا، اور وہ تمہارے کاموں کا کچا چٹھا تم کو بتا دے گا)۔

زندگی کیسی گذاری جائے، دنیا میں کیسے رہا جائے، خواہشات پر قابو کیسے پایا جائے، مچلتے نفس کو کیسے منایا جائے، دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی عمدہ بات کہی اور کتنے اختصار سے کہی: "عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال أخذ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بمنکبی فقال کن فی الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل". [رواہ البخاری] (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مونڈھے کو پکڑا اور فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے پردیسی رہتا ہے یا راہ گیر)۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرو تو شام کے منتظر نہ رہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو وصیت کی کہ دنیا ایک بڑی عمارت ہے اس سے عبرت حاصل کرو اس کو آباد مت کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام سے کہا گیا اے سب سے لمبی عمر پانے والے! آپ نے دنیا کو کیسے پایا؟ فرمایا! ایک گھر کی طرح جس میں دو دروازے ہیں ان میں پہلے سے میں داخل ہوا اور دوسرے سے باہر نکل گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا پیچھے کی طرف ہٹی اور آخرت آگے کی طرف بڑھی اور ان دونوں کے پاس کچھ لوگ ہیں تو تم آخرت والے بنو اور دنیا والے نہ بنو آج عمل ہے حساب نہیں اور کل حساب ہوگا عمل نہیں۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: حرم مکی میں حج کے موسم میں خاص طور پر یہ صورت حال پیش آتی ہے، کہ بعض دفعہ مردوں کی صفوں میں عورتیں شامل ہوجاتی ہیں، ایسی صورت میں مردوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتی ہے تو مردوں کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: عورتوں کے لیے مردوں کی صفوں میں کھڑا ہونا درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو پیچھے کھڑا ہونے کا حکم فرمایا ہے، لہٰذا عورت اگر شروع سے نماز میں شامل ہو اور امام نے عورتوں کی بھی نیت کی ہو، تو جو مرد اس سے متصل دائیں یا بائیں ہو یا ٹھیک اس کے بالمقابل پیچھے کی صف ہو، ان کی نماز فاسد ہوجائے گی، اور انہیں اپنی نماز دہرانی ہوگی۔

[تبیین الحقائق]

لیکن اگر نماز شروع ہونے کے بعد کوئی عورت آئے اور برابر کھڑی ہوجائے، جس مرد کے بازو میں کھڑی ہوئی، اس نے اشارہ سے پیچھے چلے جانے کو کہا، لیکن وہ پیچھے نہیں گئی اور اسی صف میں نماز پڑھنے لگی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ عورت کی نماز فاسد ہوجائے گی، علمائے احناف کی یہی رائے ہے۔

[البحر الرائق: ج۱/ص۶۲۰]

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگرچہ عورت کا مرد کی صف میں آجانا درست نہیں ہے، لیکن نماز نہ مردوں کی فاسد ہوگی اور نہ عورتوں کی: "قال الجمهور غير الحنفية: إن وقفت المرأة في صف الرجال لم تبطل صلاة من يليها ولا صلاة من خلفها".

[الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ج۲/ص۱۲۶۱]

سوال: جمعہ کے دن حرم مکی میں اتنی زیادہ بھیڑ ہوجاتی ہے کہ بہت سے نمازی مسجد حرام اور اس کے صحن سے دور راستوں، بازاروں اور خالی جگہوں میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ صحن مسجد حرام کے نمازیوں اور باہر راستوں وغیرہ پر نماز پڑھنے والوں کے درمیان بلڈنگ، مارکٹ اور مختلف کام کی جگہیں حائل ہوتی ہیں، تو کیا اپن کی اقتدا درست ہوگی، اور جماعت میں شرکت مانی جائے گی یا نہیں؟

جواب: مسجد حرام اور صحن میں جگہ نہ ہو اور لوگ صحن سے قریب قریب صف بندی کرتے جائیں اور دور تک راستوں وغیرہ میں بھی صف بنالیں، حالانکہ درمیان میں عمارتیں اور دیگر ضروریات کی جگہیں حائل ہیں، تب بھی یہ اقتداء درست ہوگی اور جماعت میں شرکت تصور کی جائے گی، البتہ یہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ مقتدی کو امام کا حال معلوم ہو، خواہ امام یا مکبر کی آواز سن کر یا دیکھ کر ہو۔

"وإن كانت الصفوف متصلة على الطريق كما يحصل في الحرمين أو في المساجد المزدحمة بالمصلين جاز الاقتداء.....والحائل كجدار كبير لا يمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع من الامام أو مبلغ عنه أو رؤية.....".

[الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج۲/ص۱۲۴۸]

سوال: امام اگر رکوع میں ہوں اور مقتدیوں کی آمد کا انہیں احساس ہوجائے اور اس ارادہ سے رکوع طویل کردیں کہ کچھ اور لوگ رکعت پالیں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ یہ سوال اس لیے ہے کہ ائمہ مساجد کو اس کی نوبت پیش آتی رہتی ہے؟

جواب: حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات بچوں کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر کردیا کرتے تھے، کیوں کہ ان کی مائیں نماز میں شریک رہتی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ شرکاء نماز کی رعایت شریعت کے خلاف نہیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی آنے والے متعین شخص کے آنے کا احساس کرتے ہوئے نماز کو طویل کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں خیال ہوتا ہے کہ اس کی وجاہت سے متاثر ہوکر نماز طویل کی گئی ہے، حالانکہ نماز ہے ہی اس لیے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی کے سوا ساری بڑائیوں کو دل سے نکال دے، ہاں اگر کسی متعین شخص کی رعایت میں نماز کو لمبی نہ کرے، بلکہ پہچانے بغیر آنے والوں کی رعایت میں رکوع کو ایک دو تسبیح کے بقدر لمبا کردے تو یہ درست ہے، مگر اتنی ہی مقدار رکوع کو طویل کرسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، تاکہ دوسرے نمازیوں کے لیے گرانی کا باعث نہ ہو۔

[کتاب التجنیس والمزید لصاحب الہدایہ: ج۲/۱۶]

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** (State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.